هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی
پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۲ ۔ ۲۲ - ذی قعدہ سنہ ۱۳۵۵ھ ۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل ۔ ۵ - فروری سنہ ۱۹۳۷ء ۔ جلد ۳۶

فہرست مضامین

حضرت آدمؑ از روئے قرآن مجید ۔ جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ۔ ۴۱/۶۸

۱ - علوم و فنون کی ترقی مسلمانوں کے ذریعہ
۲ - آریہ سماج کی حالت ۔ اچھوت مسلمانوں کی حالت ۔ ہندوستان کے عجائبات ۔ ۶۹/۷۶

اندرون ہند سے تین روپے سالانہ ۔ مصدقہ طلبا اور غیر احمدیوں سے ۲؎ ۔ بیرون ہند سے تین روپے ۸ / سالانہ

جناب ناظر صاحب تالیف و تصنیف کا سفارش نامہ

برائے توسیع اشاعت رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو

برادران! السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

ریویو اُردو کے بارہ میں ایڈیٹر صاحب نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے متعلق احباب سے تحریک کروں کہ اس کی اشاعت کی توسیع کے لئے کوشش کی جائے۔ صحیح اور حقیقی کوشش جو کسی اخبار یا رسالہ کی توسیع اشاعت کے لئے کی جاسکتی ہے۔ وہ تو خود ایڈیٹر صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ یعنی یہ کہ وہ رسالہ میں ایسی ظاہری اور باطنی خوبیاں جمع کر دیں کہ وہ خود بخود لوگوں کی توجہ کا جاذب بن جائے۔ لیکن چونکہ ریویو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی طرف سے خاص تحریک ہوئی تھی۔ اس لئے میں بھی اس تحریک میں شامل ہو کر احباب سے یہ استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو دوسرے رسالہ جات یا اخباروں کی طرح نہ سمجھیں۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد کے ماتحت اس کی اشاعت کے لئے خاص طور پر کوشش کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔ کیونکہ توسیع میں حصہ لینا صرف ایک مفید لٹریچر کی اشاعت ہی نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ارشاد کی تعمیل بھی ہے میں امید کرتا ہوں کہ اشاعت کے بڑھنے سے اس کی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں بھی اضافہ کی صورت ہو جائیگی اور ایڈیٹر صاحب اس کی طرف زیادہ توجہ دیکر اسے اس تعریف کا حقدار بنانے کی کوشش کرینگے جن کی بنا پر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس کے لئے خاص تحریک فرمائی تھی۔ فقط

والسّلام

مرزا بشیر احمد ناظر تالیف تصنیف

نوٹ ضروری:۔ حضرت ناظر صاحب تالیف و تصنیف کی سفارش کے احترام میں ہر مقام جماعتوں کے معتمدین مہربانی فرماکر رسالہ ریویو اُردو کیلئے خاص تحریک فرمائیں اور جسقدر خریدار مہیا ہوسکیں ان سے ہمیں براہ راست اطلاع دیں ایسے اصحاب کے نام خاص طور پر شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائینگے۔ اگر ہر جماعت سے دو چار پُر جوش دوست کھڑے ہو جائیں اور عزم بالجزم کرلیں کہ دس دس نئے خریدار پیدا کرکے دینگے تو اللہ تعالیٰ ضرور حامی و ناصر ہوگا۔ واللہ الموفق۔

خاکسار ایڈیٹر اُردو ریویو آف ریلیجنز۔ قادیان دارالامان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت آدمؑ از روئے قرآن مجید

آدم فی القرآن کا یہ اچھوتا اور دلچسپ مضمون۔ جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب نے پہلے دائرہ معارف اسلامیہ کے ایک اجلاس میں پڑھ کر سُنایا تھا۔ دائرہ معارف اسلامیہ، جماعت احمدیہ لاہور کے زیر سرپرستی ایک چھوٹی سی انجمن ہے جو ایسی علمی مجالس کا انتظام وقتاً فوقتاً کرتی رہتی ہے۔ جن میں علمی مذاق اور علمی مشاغل رکھنے والے احباب کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، جو سلسلہ احمدیہ میں شامل نہیں، تین سال کے تجربہ نے اس دائرہ کا ہر لحاظ سے مفید و مؤثر ہونا ثابت کر دیا ہے، اور ہم حضرت شاہ صاحب کے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے ایک گونہ دائرہ کے عزائم و مساعی کی اشاعت کی خاطر اپنے قیمتی مضمون کو اپنے طور پر شائع کر دیا ہے۔ پڑھنے والے اقرار کریں گے کہ مضمون میں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے کام اور مقام کے متعلق ایک نئے پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور روح انسانی کی اس تدریجی ترقی کا ایک نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کا سامان خدا تعالیٰ نے نسل انسانی کی خیر خواہی سے آج تک کیا ہے، اور جس کا علم ہمیں قرآن شریف سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے علم کلام کی اعلیٰ روایات کو اس مضمون میں بطریق احسن پورا کیا ہے اور مضمون کے سارے حصے قرآن شریف سے اخذ کیے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ قرآن شریف انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے میں تورات اور انجیل کے بیانات سے مستقل آزاد اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہ نہیں کہ اس نے ان کے متعلق واقعات کو پرانی کہانیوں سے اخذ کیا ہے، اور یہ کہ جن مقاصد کے لیے ان کو

کا ذکر کیا گیا ہے وہ بہت اہم اور حکیمانہ ہیں۔ یہ مضمون ثبوت ہے نہ صرف سلسلۂ احمدیہ کے اس امتیاز کا جو وہ مذہبی مسائل کی تحقیق کے متعلق رکھتا ہے، بلکہ اس بات کا بھی کہ شاہ صاحب قرآنی مطالعہ اور قرآنی تدبّر میں ایک اعلیٰ دسترس رکھتے ہیں۔ میری دُعا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ حضرت شاہ صاحب اور دائرہ معارف اسلامیہ کی اس مشترکہ پیشکش کو علم دوست اصحاب کیلئے مفید، دلچسپ اور مؤثر بنائے۔ آمین

خاکسار محمد اسلم (بی۔ اے کیمبرج) صدر دائرہ معارف اسلامیہ لاہور

محترم صدر و ممبران ایسوسی ایشن!

آج مجھے آپ سے آدم علیہ السّلام کے متعلق کچھ باتیں کرنا ہیں۔ آپ ان قصّوں اور کہانیوں کو جانتے ہی ہیں جو آدم اور حوّا کی پیدائش، ان کی لغزش، اور ان کے جنّت سے نکالے جانے کے متعلق زبان زد خلائق ہیں۔ ہمیں ان قصّوں میں پڑنے اور ان کی چھان بین سے کچھ واسطہ نہیں۔ بلکہ اپنی گفتگو کو جیسا کہ آپکو اور مجھے اطلاع دی گئی ہے قرآن مجید کے آدمؑ تک ہی محدود رکھنا ہے۔ سو مَیں مختلف پہلوؤں سے حضرت آدمؑ کے متعلق قرآن مجید کے بیانات آپ کے سامنے یکے بعد دیگرے رکھوں گا:۔

دائرہ موضوع

جب بھی آدم علیہ السّلام کا ذکر ہمارے سامنے آتا ہے تو ان کے متعلق کئی ایک سوالات بالطبع پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کی پیدائش کا سوال۔ آیا آپ آسمان میں پیدا ہوئے یا اسی زمین میں، کس طرح پیدا کئے گئے۔ آیا وہ پہلے انسان تھے جو پیدا کئے گئے یا ان سے پہلے بھی بشر موجود تھے جن میں سے وہ ایک فرد تھے۔ کونسے حالات کیا تھے جن میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے۔ عالم تکوین میں ان کی پیدائش کی کیا غرض تھی۔ آدمؑ کی پیدائش کی کیا خصوصیات تھیں اور کن باتوں میں وہ اپنے ساتھیوں سے ممتاز ہوئے یا مخلوقاتِ عالم میں انہیں کیوں نمایاں حیثیت حاصل ہوئی اور یہ کہ وہ امتیاز و حیثیت کیا ہے۔ آدمؑ کی جنّت کہاں تھی اس میں وہ کیا درخت تھا جس سے ان کو روکا گیا۔ اور ان کی لغزش کیا تھی؟ اور انہوں نے دُنیا میں کیا کام کیا جو انہیں ابوالبشر اور اوّل الانبیاءؑ کا خطاب ملا۔ غرض اس قسم کے سوالات حضرت آدمؑ کی تاریخ کے ساتھ کچھ اس طرح وابستہ ہو چکے ہیں کہ آپؑ کے تذکرہ میں انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور آج میری گفتگو کا دارومدار ان سوالات کے ان جوابات پر ہوگا جن کی طرف قرآن مجید ہماری رہنمائی فرماتا ہے:۔

حضرت آدمؑ پہلے بشر نہیں

مَیں نے بتلایا ہے کہ پہلا سوال حضرت آدمؑ کی پیدائش کا ہے اور اس سوال کے پیشِ نظر مَیں نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے۔
اور قرآن مجید کے صریح اور واضح بیانات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آدمؑ جن کی ہم نسل ہیں بنی نوع انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں پہلے انسان نہیں ہیں وہ اس سلسلہ کے حلقوں میں سے ایک ممتاز حلقہ ہیں جن کے ساتھ ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اس بارہ میں قرآن مجید میں ایک یا دو آیتیں نہیں بلکہ کئی آیات ہیں جو ایک دوسرے کے مفہوم کی تائید و توضیح کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ اعراف کے دوسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ (آیت ۱۱) یعنی ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں ایک خاص شکل و صورت پر ڈھالا پھر ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے سامنے سر جھکاؤ تو انہوں نے سر جھکا دیا۔ مگر ابلیس نے نہیں۔ وہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوا جو سر جھکانے والے تھے۔ اس آیت میں ولقد خلقناکم کہکر بنی نوع انسان کا ذکر بحیثیت مجموعی کیا ہے۔ کم جمع کا صیغہ ہے اور پھر ثمّ کا حرف استعمال کر کے بنی نوع انسان کے زمانۂ تخلیق کو ان کے زمانۂ تشکیل سے ممتاز کیا ہے۔ ثمّ کا حرف امتدادِ زمانہ اور فاصلہ پر دلالت کرتا ہے۔ آیت ولقد خلقناکم ثمّ صوّرناکم ثم قلنا للملٰئکۃِ اسجدوا لآدم انسانی تکوین کے سلسلہ کو تین الگ الگ زمانوں میں تقسیم کرتی ہے۔ ایک زمانہ تخلیق ایک زمانہ تشکیل اور پھر اس کے بعد آدم کی اس مخصوص پیدائش کا ذکر ہے جسے دوسری جگہ نفخ رُوحانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کو سورۃ سجدہ میں وضاحت سے یوں بیان کیا گیا ہے:۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (آیت ۷) یعنی وہ وُہ ذات ہے جس نے ہر شئے کو پیدا کیا اس کے کمال تک پہنچایا ہے اور انسان کی پیدائش گیلی مٹی سے شروع کی اور پھر ایک زمانہ کے بعد اس کا سلسلۂ نسل ایک ایسے خلاصہ سے چلایا

حضرت آدمؑ کی پیدائش کا زمانہ

جو حقیر سا پانی ہے پھر اسے ٹھیک ٹھاک کیا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے اور کم ہے جو تم شکر گذار ہو۔ اس آیت میں انسانی تخلیق و تشکیل کے دو زمانوں کو بالکل علیٰحدہ علیٰحدہ کر کے بیان کیا گیا ہے۔ تخلیق کے زمانہ کی ابتدا مٹی سے اور تشکیل کو سلسلہ تناسل سے وابستہ قرار دیا۔ اور علم حیات سے واقفیت رکھنے والے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کس طرح انسانی تشکیل کا دارومدار سلسلہ تناسل پر ہے۔ ہر نسل اپنی بناوٹ میں خفیف خفیف تبدیلیاں پیدا کرتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ چند ہزار سال کے بعد وہ تبدیلیاں اکٹھی ہوتے ہوتے اپنے اثرات پے در پے چھوڑتے ہوئے بالآخر نمایاں طور پر ایک امتیازی شکل و صورت میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ انسانی پیدائش کی اس جسمانی تشکیل کا ذکر قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ یاَیّھا الانسان ماغرّک بربّک الکریم الذی خلقک فسوّٰک فعدلک فی ای صورۃٍ ما شاء رکّبک۔ اے انسان تجھے اپنے رتبہ کے متعلق کس بات نے دھوکے میں ڈالا ہُوا ہے وہ جو تمام خوبیوں اور احسانوں کا جامع جس نے تجھے پیدا کر کے ٹھیک ٹھاک کیا اور تجھے حدِّ اعتدال پر لایا جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دی ہے[۳۱]

قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السّلام کی پیدائش انسانی پیدائش کے سلسلہ میں اس تشکیلی زمانہ کے بعد ظہور میں آئی ہے اور وہ وہ زمانہ ہے جسے اللہ تعالےٰ نے سورۂ سجدہ میں سوّٰیہ ونفخ فیہ من روحہ سے تعبیر کیا ہے یعنی حضرت آدمؑ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب انسان کی ظاہری تشکیل بھی حالتِ استواء یعنی اعتدال میں تھی، اور اس وقت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ روحانی تخلیق کا آغاز ہُوا اور یہ ہر دو حالتیں آدمؑ کے وجود کے ساتھ نمایاں طور پر منصہ ظہور پر آگئی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آدمؑ کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے (ولقد خلقنا الانسان من صلصالٍ من حماٍءٍ مسنون والجان خلقنٰہ من قبل من نار السموم) واذ قال ربک للملٰئکۃ انی خالق بشرًا من صلصال من حماٍءٍ مسنون فاذا سوّیتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین۔ (سورۃ حجر آیت ۲۶ تا ۳۰) یعنی جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا میں ایک بشر صلصال یعنی ایک گلے سڑے کیچڑ سے پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اسے پورے طور پر بنا لوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا۔ یہ آیت بھی صاف طور پر بتلاتی ہے کہ وہ انسان بشر جس کے سامنے ملائکہ کو سر جھکانے کا حکم ہُوا تھا وہ پہلا انسان نہیں تھا جس کی پیدائش

مٹی یا گارے سے شروع ہوئی بلکہ یہ وہ انسان تھا جس کی جسمانی تشکیل اور روحانی تخلیق اس حد تک ہو چکی ہوئی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے حامل ہونے کے قابل تھا ؞

حضرت آدمؑ کی پیدائش

پس قرآن مجید کی رُو سے حضرت آدم علیہ السّلام سلسلہ بنی نوع انسان میں پہلے نبی تو ہیں۔ مگر پہلے بشر نہیں۔ اور ان کی پیدائش بشری تکوین کے سلسلہ میں سے ایک ممتاز حلقہ ہے۔ اور اُن کی پیدائش اسی طرح تکمیل پذیر ہوئی جس طرح آجکل تمام انسانوں کی ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے کہیں بھی معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش خارق عادت طور پر کسی نرالے طریقہ سے ہوئی ہے۔ بلکہ اس کے خلاف قرآن مجید کی آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ہماری طرح ہی ہوئی چنانچہ سورۃ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی خارق عادت پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثمّ قال لہٗ کن فیکون۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی پیدائش بھی ویسی ہی تھی جیسی آدم کی۔ اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو اور وہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے براہِ راست تو پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوئے جس طرح پر انسانی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ایسا ہی سورۃ حج پارہ ۱۷ میں اللہ تعالیٰ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا الخ (آیت ۵) اس آیت میں انسان کے سلسلہ پیدائش کی حالتوں کو بیان کیا ہے اور مٹی سے شروع کر کے نطفہ، جنین، بچپن، بڑھاپے اور موت تک اس کی زندگی کی مختلف حالتوں کو شمار کیا ہے۔ پس جس طرح ہم باوجود اس کے کہ مٹی سے پیدا ہوتے ہیں اور ہماری اس پیدائش میں کوئی خارق عادت طریق نظر نہیں آتا اسی طرح جب یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش مٹی سے شروع ہوئی تو کیوں ہم یہ سمجھیں کہ وہ پیدائش غیر معمولی طریق سے ہوئی ہوگی۔ ایک جگہ سورۂ نوحؑ میں اللہ تعالےٰ ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝ (آیت ۱۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا ہے پھر تمہیں اسی میں لوٹاتا ہے اور تمہیں اسی سے دوبارہ نکالتا ہے۔ اس آیت میں زمین سے ہماری روئیدگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہم زمین سے اس طرح نہیں اُگتے جس طرح

نباتات۔ اور اس آیت سے ہم وہ سلسلۂ تکوین ونشو ونما مراد لیتے ہیں جو ہماری پیدائش میں نظر آتا ہے یعنی ترابی حالت سے نباتاتی حالت نباتاتی سے حیوانی حالت میں انتقال۔ پہلے بشر کے متعلق تو بے شک یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ حمإ مسنون سے اسی طرح پیدا ہُوا جس طرح تمام جاندار مخلوق۔ حمإٍ مسنون سے پیدا ہوئی اور ہم اب تک نہیں جان سکے کہ ان کی یہ پیدائش کس طرح پروا قع ہوئی۔ لیکن حضرت آدمؑ کے متعلق بلاوجہ یہ خیال کرنا کہ وہ پہلے انسان تھے اور یہ کہ وہ گارے سے خارق عادت طور پر پیدا ہوئے قرآن مجید کی آیات بیّنات کے پیش نظر یہ خیال قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ آیت ولقد خلقناکم ثمّ صوّرناکم ثمّ قلنا للملٰئکة سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آدمؑ سلسلہ پیدائش انسان کے ابتدائی دَور میں نہیں ہیں بلکہ مابعد کے دَور میں ہیں جبکہ بشری ساخت اپنی حد استوائی تک پہنچ چکی تھی۔ اور جبکہ نفخ رُوحانی کا آغاز ہُوا ؎

حضرت آدمؑ کہاں پیدا ہوئے

حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے متعلق کہ وہ کہاں عمل میں لائی گئی کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید نے جب اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کئے گئے تو ظاہر ہے کہ ہم مٹی اسی زمین کے اجزاء کو ہی کہتے ہیں کسی اور چیز کو نہیں۔ اس لئے بھی درست ہے کہ آدمؑ اسی زمین میں ہی پیدا کئے گئے تھے کہیں اور نہیں، اور قرآن مجید علاوہ اِس کے ایک اور جگہ آدمؑ کی پیدائش کے ضمن میں فرماتا ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفه کہ میں اس زمین میں ایک جانشین بناؤں گا۔ اور اس کے لئے سلسلہ بنی نوع انسان زمین کی مٹی سے شروع کیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولقد خلقنا الانسان من سللٰة من طين ثمّ جعلناه نطفة فی قرار مکین (سورہ مومنون آیت ۱۲) یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ پھر اسے محفوظ جگہ میں نطفہ بنایا۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ سوال خارج از بحث ہوجاتا ہے کہ ہم حضرت آدمؑ کی پیدائش کے لئے زمین کو چھوڑ کر کوئی آسمانی فضائے تلاش کریں اور اس طرح اپنے موضوع کو خواہ نخواہ بلاوجہ پیچیدہ بنادیں ؎

حضرت آدمؑ کا ابلیس

قرآن مجید میں آدم علیہ السّلام کا جہاں کہیں بھی ذکر ہُوا ہے وہاں ملائکہ، ابلیس شیطان اور جنّت وغیرہ کا ذکر بھی آتا ہے اور ان کے ذکر میں کئی ایک اہم باتیں ہیں جن کا پتہ قرآن مجید سے چلتا ہے۔ ملائکہ اور شیطان کا موضوع بہت سی تفصیلات چاہتا ہے مجھے اس وقت ان میں پڑنا نہیں چاہیئے ورنہ خلط مبحث ہوجائیگا اور نہ وقت اس کی اجازت

دیتا ہے۔ لیکن آدمؑ کی جنّت اور ابلیس کے متعلق قرآن مجید کے بیان کردہ معلومات آپ کے سامنے رکھوں گا۔ کیونکہ ان کے بغیر قرآن مجید کے آدم اپنی اصل صورت و شکل میں آپ کے سامنے نہیں آ سکتے۔ آدمؑ کی جنّت کا ذکر کرنے سے پہلے مَیں ابلیس کے ذکر کو لیتا ہوں۔ ابلیس اُسی طرح پر اسم علم ہے جس طرح آدمؑ کا نام۔ آدمؑ ایک معیّن انسان کا نام تھا اسی طرح ابلیس بھی ایک معین شخص کا نام ہے۔ جسے آدمؑ کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آدمؑ کے ماننے سے انکار کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکان من الکافرین۔ آدمؑ کے نہ ماننے والے اور لوگ بھی تھے اور ابلیس انہی کافروں میں سے ایک تھا۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی علیٰحدہ نوع یا جنس میں سے تھا، بلکہ وہ بشری مخلوق میں سے ہی ایک بشر تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ آدمؑ کے ذکر میں فرماتا ہے وقلنا اھبطوا بعضکم لبعضٍ عدوٌّ ولکم فی الارض مستقرٌّ ومتاع الیٰ حین (سورہ بقرہ آیت ۳۶) یعنی ہم نے کہا یہاں سے نکل جاؤ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں اور اسی زمین میں ہی تمھیں رہنا اور ایک وقت تک فائدہ اُٹھانا ہے۔ پس بعضکم سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت آدمؑ اکیلے نہیں تھے بلکہ آپ کے ساتھ اور بھی لوگ تھے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کے دشمن ان کی اپنی جنس کے تھے جنہوں نے ان کی بات نہیں مانی اور انہیں کافر اور آدمؑ کا عدو قرار دیا گیا اور انہی کافروں میں سے ایک شخص ابلیس نامی بھی تھا جس نے آپ کی مخالفت میں نمایاں حصّہ لیا ابیٰ واستکبر ان سے رعونت کی وجہ سے نہیں مانا اور اپنے تئیں بڑا سمجھا قال انا خیر منہ کہنے لگا مَیں اس سے بہتر ہوں خلقتنی من نارٍ وخلقتہٗ من طین قال فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبّر فیھا فاخرج فانک من الصاغرین یعنی ابلیس نے کہا مَیں آدم کے سامنے اپنا سر کیوں جھکاؤں، مَیں تو اس سے بہتر ہوں مجھے تُو نے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو تُو نے مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا یہاں سے چلے جاؤ تیرے شایاں نہ تھا کہ تُو تکبّر کرتا سو نکل جا تُو بھی ویسے ہی ذلیل ہے جیسے دوسرے غرض آدمؑ اور ابلیس نوع بشر میں سے دو اشخاص کے نام ہیں ایک اپنی پاکیزہ طینت اور عمدہ سرشت کی وجہ سے وحی الٰہی کا مورد بنا۔ اور دوسرا ناری طبیعت کی وجہ سے سرکش اور متکبّر تھا اس لئے وہ ہلاک ہُوا۔ نار سے پیدا کرنے کے یہ معنے نہیں کہ آگ کے ہیولیٰ سے اس کا جسم بنایا گیا جیسا کہ طین سے پیدا کرنے کے یہ معنے نہیں کہ حضرت آدمؑ کا جسم گارے سے بنایا گیا قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ابلیس کے متعلق کان من الجن ففسق عن امر ربہٖ (سورۃ آیت ۵۰)

کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ اس جگہ جن سے مراد سرکش اور وحشی لوگ ہیں جو جنگلوں میں رہا کرتے تھے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئیگی ؛

آدمؑ و ابلیس کے ناموں کے ضمن میں قرآن مجید کے مطالعہ سے ایک اور بات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اور وہ یہ کہ قرآن مجید نے ہر اس انسان کو جو آدمؑ کی صفات کا مظہر ہے آدم کے نام سے موسوم اور اس کے اوصاف سے موصوف کیا ہے۔ اور ایسا ہی ہر اس انسان کو جو ابلیس کی صفات کا مظہر ہے ابلیس کے نام سے پکارا ہے۔ پہلے یہ دونو نام علم تھے۔ مگر بعد میں بطور وصف کے استعمال کئے جانے لگے۔ جیسا کہ حاتم طائی اور فرعون کے ناموں کا حال ہے، چنانچہ سورۃ صٓ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اس کی علّت غائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۝ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ۝ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ (آیت ۶۹) یعنی کہ یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس سے تم منہ پھیر رہے ہو مجھے عالم بالا کا کچھ علم نہ تھا جب وہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے۔ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ میں ایک نذیر ہوں۔ جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے لگا ہوں سو جب اسے مکمّل بنالوں اور اس میں اپنی رُوح پھونک لوں تو تم سب اسے سجدہ کرنا۔ ملائکہ سب کے سب جُھک گئے مگر ابلیس نہیں جُھکا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اب ان آیات کا سیاق و سباق واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہاں بشر سے مراد حضرت آدمؑ نہیں بلکہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ابلیس سے مراد آدم علیہ السلام کا ابلیس نہیں بلکہ وہ ائمہ کفر ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے آپ کی شدید مخالفت کی، آدمؑ و ابلیس کی یہ دو ممتاز نسلیں بعضکم لبعض عدو کی حیثیت سے چلی آئی ہیں۔ چنانچہ سورۂ کہف کے رکوع ۷ میں ابلیس کی ذرّیت کا ذکر کر کے انہیں کوئی نرالی غیر مرئی ناری مخلوق نہیں بلکہ بنی نوع انسان میں سے ظالم لوگوں کو ہی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:-

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۗ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۚ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝ (آیت ۵) یعنی جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے سامنے

اس ناری پیدائش سے مراد اس کی وہ متمردانہ سرشت ہے جس کی آتشِ عداوت فرو نہیں ہوتی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم قرآن مجید میں حضرت آدمؑ کے بارے میں یہی الفاظ دیکھ کر یہ سمجھنے لگ جائیں کہ حضرت آدمؑ کا ابلیس سچ مچ کوئی ناری وجود تھا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملائکہ کے سجدہ کرنے کا ذکر جو آتا ہے۔ اگر اس کا ظہور نیک فطرت انسانوں کے اس سجود میں ہوا جس کے پسِ پردہ ملائکۃ اللہ کی تحریکات کام کر رہی تھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آدمؑ کے متعلق ملائکۃ اللہ کے سجدہ کا ذکر آئے تو ہماری قوتِ متخیلہ ہمیں عالمِ خیال میں کہیں کا کہیں لے جائے ؛

فرشتوں کو سجدہ کرنیکا حکم دینا

یہاں پر ایک شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس مضمون کو واضح کرنے کے لئے اس کا ازالہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید نے قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم کیوں کہا یہ کیوں نہ کہدیا کہ ہم نے نیک آدمیوں کو فرمانبرداری کے لئے کہا اور انہوں نے فرمانبرداری اختیار کی۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاءؑ کی بعثت کا تعلق دراصل عالمِ رُوحانی سے ہے جس کے اہم عناصر ملائکۃ اللہ ہیں۔ انسانوں میں مشیتِ الٰہیہ کی تجلی براہِ راست نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے لوگوں کے دل مُردہ اور ان کی رُوحانی قوتیں کالعدم ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور بعثتِ نبویہ سے اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مُردہ دلوں کے اندر رُوحانی زندگی کی تحریک پیدا کی جائے اس لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی یہ تجلی سب سے پہلے ملائکہ پر ہوتی ہے اور پھر ملکوتی تحریکات سے لوگوں کے دلوں میں رُوحانی زندگی کی رَو پیدا ہوتی ہے اور دلوں کی قبولیّت اور ان کے جُھکنے کے ساتھ جسم بھی جُھک جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آدمؑ اور دیگر انبیاءؑ کی بعثت کا ذکر کرتے وقت قرآن مجید میں تمہیداً اس قسم کے الفاظ سے اُٹھائی گئی ہے۔ واذ قلنا للملئکۃ انی خالق بشرا من طین ×× واذ قلنا للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ انہی معنوں میں آدمؑ کے متعلق ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ان کی بعثت کے وقت مشیت الٰہی کی تحریک ملائکۃ اللہ کے ذریعہ شروع ہوگی۔ اور ہر نبی زمین میں خلیفۃ اللہ ہوتا ہے اوّل ان معنوں میں کہ وہ نفخ روحانی کے ذریعہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے۔ اور دوئم ان معنوں میں کہ اس کی آمد ہلاک ہونیوالی قوموں کی ہلاکت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور وہ اور اس کے پیرو ہلاک شدہ قوموں کے جانشین ہوتے ہیں گویا ایک نبی کے ذریعہ دُنیا میں ایک نئی طرح ڈالی جاتی ہے۔ پس لفظ خلیفہ کے جونسے معنے بھی لئے جائیں وُہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق حضرت آدمؑ پر بھی اسی طرح صادق آتے ہیں جس طرح کسی دوسرے نبی پر؛

آدم علیہ السّلام کی حیثیّت

آدم علیہ السّلام کی اس حیثیّت کے متعلق کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنائے گئے تھے۔ قرآن مجید فرماتا ہے ونفخت فیہ من روحی (سورۃ الحجر آیت ۲۹) یعنی میں نے اپنی رُوح اس میں پھُونکی، رُوح اللہ کے پھونکنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صفات الٰہیہ کی تجلّی کا مورد بنا۔ حضرت آدمؑ کی یہ ممتاز حیثیّت ہی دراصل تھی جس کی وجہ سے انہیں ملائکہ اور تمام مخلوقات پر فوقیّت حاصل ہوئی اور انہیں آپؑ کی اطاعت کا حُکم ہُوا۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے حماءٍ مسنون سے بشر کے پیدا کرنے کا ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے۔ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین یعنی جب اس ڈھانچہ کی تکمیل کروں اور اپنی رُوح اس میں پھُونک دوں تو تم نے اس کے حضور جُھک جانا۔ جس سجدہ کا حکم ملائکہ کو ہُوا ہے وہ صرف حضرت آدمؑ کی پیدائش کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس روحانی تکامل کی وجہ سے تھا جس سے صفات اُلوہیت کی خلافت حضرت آدم علیہ السّلام کو حاصل ہوئی۔ ورنہ اس کے بغیر بنی نوع انسان ملائکۃ اللہ کو مفسد و سفاک مخلوق کی صورت و شکل میں دکھلائے گئے۔ اور انہوں نے کہا اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء یعنی کیا تو اس میں ایسی مخلوق پیدا کریگا جو اس میں فساد برپا کریگی اور خون بہائے گی۔ نوع انسان کی خلقت کا وہ پہلو جو بغیر رُوحانی نفخ کے بشر میں نمایاں تھا اس کے پیش نظر ملائکۃ اللہ کو یہی کہنا چاہیئے تھا کہ یہ مفسد و سفاک ہونگے جیسا کہ فی الواقع بنی نوع انسان جب ان سے یہ رُوحانی خلافت چلی جاتی ہے تو وہ مفسد و سفاک بن جاتے ہیں۔ نیز ملائکہ کے اس اندیشہ سے اس خلافت کا بھی پتہ چلتا ہے جس کے قائم کرنے کے لئے حضرت آدمؑ کو جد و جہد کرنا تھی کیونکہ وہ کبھی قائم نہیں ہوئی جبتک کہ مفسد قوموں کو تہ تیغ اور ان کے نظاموں کو تہ و بالا کر کے ایک نئی قوم اور ایک نیا نظام نہ قائم کر دیا جائے۔ قرآن مجید کی آیت واذ قال ربّك للملٰئكة انّی جاعل فی الارض خلیفۃ اسی مشیت الٰہی کا پتہ دیتی ہے جو انسان کی رُوحانی خلافت کے قائم ہونے میں جلوہ گر ہوتی ہے اور جو سب سے پہلے آدمؑ کے ذریعہ سے ظاہر ہوئی یعنی روحانی خلافت کے قائم ہونے کے ساتھ ایک قوم کی بربادی ہوتی اور پُرانا فاسد نظام مٹتا اور دوسرا قائم ہوتا ہے۔ غرض قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے حضرت آدمؑ کی حیثیّت واقعات کی روشنی میں آپ سے آپ پتہ دیتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان کی خلقت رُوحانی نفخ کے بغیر ظلم و فساد اور خوں ریزی کا منظر پیش کرتی ہے۔ ہر نبی جو ایک عظیم الشان انقلاب کا دروازہ کھولنے کے لئے آتا ہے اسے

فساد کو دور کرنے کے لئے مقابلہ کے وقت خون آشامی بھی کرنا پڑتی ہے ۔

آدمؑ کی پیدائش کی ضرورت

آدمؑ کی پیدائش کی ضرورت کے متعلق قرآن مجید ہمیں بتلاتا ہے کہ ایک سوال ملائکۃ اللہ کی طرف سے یہ بھی اٹھایا گیا تھا کہ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک یعنی ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔ سارا عالم اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور قدوسیت کا ایک آئینہ ہے تو ایسی حالت میں انسان کو پیدا کر کے اس خوبصورت عالم کو دھبہ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال ملائکۃ اللہ کو آدمؑ کی معین پیدائش کے وقت پیدا نہیں ہوا بلکہ مطلق بنی نوع انسان کی پیدائش کے وقت ہوا تھا جو اپنے ابتدائی مرحلہ میں نفخ روحانی سے خالی تھی۔ لیکن جب بشری نوع کی پیدائش کا تکامل حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کے ساتھ ہوا تو ملائکہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ فقعوا لہ سٰجدین کی تعمیل بغیر کسی تردد و اعتراض کے کی۔ ملائکۃ اللہ لطیف نورانی طاقتیں ہیں۔ جن کے ذریعہ سے نظام عالم قائم ہے۔ اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی کشف والہام کے ذریعہ سے مشیت الٰہیہ کا اسی طرح علم دیا جاتا ہے جس طرح بنی نوع انسان کو۔ گو ان کے الہام و کشف میں بوجہ اس کے کہ وہ روحانی اور لطیف کائنات میں سے ہیں اسی نسبت سے لطافت ہوتی ہے اور ہم بنی نوع انسان جو ایک دوسرے کی رؤیا و کشف و وحی کی حقیقت سے آگاہ نہیں حالانکہ ہم ایک ہی جنس سے ہیں۔ ملائکۃ اللہ کے کشوف والہامات کی نوعیت سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر تدبیر پہلے آسمان پر طے پاتی، اور پھر اس کا اجرا زمین پر ہوتا ہے۔ جس طرح بارش کی تیاری پہلے آسمان اور اس کی طاقتوں کے ساتھ شروع ہوتی ہے اور پھر زمین اس سے سیراب ہو کر بالائی طاقتوں کا جواب دیتی ہے۔ اسی طرح تمام سلسلۂ کائناتِ زمینی کی حیات تدبیر آسمانی سے وابستہ ہے۔ قرآن مجید نے متعدد جگہ اسی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ انسان کی پیدائش کے بارے میں بھی یہی فرماتا ہے کہ سب سے پہلے ملائکۃ اللہ پر الٰہی مشیت کی تجلی ہوئی کہ زمین میں ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کی جائیگی جو الٰہی خلافت کا پیرہن پہنے گی۔ چونکہ اس مخلوق کا وہ پہلو جو شر و فساد اور خون آشامی سے تعلق رکھتا ہے اس کے سلسلہ تکوین کی پہلی کڑیوں میں نمایاں ہے اس لئے ملائکۃ اللہ کو اپنے تعجب کے اظہار کا موقعہ ملا، کہ دنیا میں ایک سفاک و مفسد مخلوق اللہ تعالیٰ کی کیسے جانشین ہوگی اور اس مخلوق کی کیا ضرورت ہے جبکہ ہم سب مخلوقات زبانِ حال سے خالق کون

کی تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں۔ آیا ملائکہ نے اس وقت ایسا کہا تھا یا نہیں۔ اس امر کی تحقیق کوئی دُور کی بات نہیں۔ عقل انسانی جو مختلف ملکی قویٰ کا خلاصہ ہے آج تک یہی کہتی چلی آئی ہے کہ یہ انسانی مخلوق اس خوبصورت عالم میں اپنی شہوتوں اور طمعوں۔ بدکاریوں اور شرارتوں ظلموں اور سفاکیوں کی وجہ سے ایک بدنما دھبّہ ہے۔ انسانی تکوین کے سلسلہ میں حضرت آدمؑ کی پیدائش کو رُوحانی نفخ سے ممتاز کر کے خالق کون نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ آدم پیدا ہوتے ہیں اور ان کی پیدائش کے ساتھ نوع انسان میں ایک نیا دَور شروع ہوتا ہے یعنی انسان کی صلصالی سرشت علم الاسماء میں ظاہر ہوئی ؂

حضرت آدمؑ کے دُوامتیاز اپنے ہم جنسوں پر

یہ دوسرا امتیاز ہے جس سے آدم علیہ السّلام کو مخصوص کیا گیا ہے۔ بشری تکوین کے اس دَور کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے وعلّم اٰدم الاسماء کلّھا۔ آدم کو نام سکھائے اس سے پہلے بشر صرف غیر ملفوظ (یعنی مقطوع) آواز میں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے تھے۔ صلصال سے مراد ایسی آواز جو مسلسل ہو جیسے گھنٹی، گھوڑے یا گھڑے کی آواز یا بادل کی گرج، الفاظ کی شکل و صورت میں یہ آوازیں کٹی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ مسلسل ہوتی ہیں آدمؑ نے اپنی صلصالی آواز کو کاٹ کر مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور چیزوں کی ظاہری شکل و صورت اور ان کی طبیعت و خاصیّت کے مطابق ہر نوع و جنس کے جُدا جُدا نام رکھے۔ الاسماء کلّھا کے یہ معنے نہیں کہ تمام چیزوں کے نام آدمؑ کو سکھائے گئے بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ جزئیات کو "اسماء کلیہ" کا جامہ پہنایا گیا۔ اس سے پہلے انسان ہر چیز کو جدا جدا وجود سمجھتا تھا۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کیا تعلّق ہے۔ اس کا اسے کچھ علم نہ تھا۔ ہر پودا اپنی اصل شکل و صورت اور امتیاز کے ساتھ اسے الگ ایک مستقل وجود نظر آتا تھا۔ وہ ایک ایسے بچّہ کی طرح تھا جو اپنے سامنے بہت سی کُرسیوں کو دیکھتا ہے اور اس کی آنکھ میں ایک کُرسی دوسری کُرسی سے جُدا وجود رکھتی ہے جن کے درمیان اسے کوئی اشتراک و مماثلت نظر نہیں آتی۔ لیکن آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اسقدر ذہنی ترقی عطا فرمائی کہ متشابہ اشیاء کے درمیان مشترکہ امور کو ملاحظہ کر کے انہیں الگ ایک ایک نام دیدیا اور یہ سب کچھ الہام الٰہی کے ماتحت ہُوا گویا حضرت آدم علیہ السّلام کو اپنے ہم جنسوں پر ایک یہ امتیاز بھی حاصل ہُوا کہ انہوں نے جُزئیات کو تصوّرات کلیّہ میں ڈھال دیا۔ اس سے حضرت آدمؑ کی ذہنی نشو و نما کا پتہ چلتا ہے،

حضرت آدمؑ اپنے ذہنی ارتقاء میں قوّتِ تجرید کے مالک تھے اور اسی قوّتِ تجرید سے انہوں نے ہر شئے سے استنطاق کی ابتدا کر کے گویا علوم و معارف کی بنیاد رکھی ؛

ہمارے علوم سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم اشیاء کی ظاہری اور مخفی خاصیتیں پڑھ کر انہیں ایک خاص ترتیب میں دکھلائے جا رہے ہیں۔ یہ مضمون وسیع ہے اور اس مختصر وقت میں ایک تعلیم یافتہ گروہ کے سامنے اس کی تفصیلات میں جانا غیر ضروری ہے۔ مجھے یہاں آدم علیہ السلام کے صرف اس ذہنی ارتقاء کا دکھلانا مقصود ہے جس کی طرف قرآن مجید ہماری رہنمائی فرماتا ہے ؛

حضرت آدم علیہ السلام وہ پہلے انسان ہیں جن کی ذہنی قوّتِ تجرید و تمیز نمایاں طور پر ترقی یافتہ تھی جس کی وجہ سے وہ مُہبطِ وحیِ الٰہی، قرار پائے اور ان کا سینہ صافی انوارِ الٰہیہ کا مورد بنا۔

اس مضمون کو واضح کرنے کے لئے مَیں قرآن مجید کی دو۲ اور آیتیں پیش کرتا ہوں جن سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو۲ امتیاز بیّن طور پر ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور صلصال کی جو تشریح مَیں نے کی ہے اس کے متعلق یہ کہنے کا موقعہ ہی نہیں رہتا کہ وہ ایک خیالی تشریح ہے ؛

لفظ صلصال کے دو ۲ مختلف مفہوم

صلصال کا لفظ قرآن مجید میں دو۲ موقعوں پر استعمال ہُوا ہے۔ ایک سورۃ حجر کے تیسرے رکوع میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ یعنی جب تیرے ربّ نے ملائکہ سے کہا کہ مَیں صلصال یعنی گلے سڑے کیچڑ سے ایک بشر پیدا کرنا چاہتا ہوں اور جب مَیں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس میں اپنی رُوح پھُونکوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ اس آیت میں صلصال کے معنے گلے سڑے کیچڑ کے کئے گئے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد نفخِ رُوحانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ گلے سڑے کیچڑ سے مراد انسان کی وہ گری ہوئی اخلاقی حالت ہے جو نفخِ رُوحانی کے بغیر ہوتی ہے اور اس سے مراد انسان کے اس ابتدائی دَور کا ذکر کرنا مقصود ہے جب وہ غایت درجہ حالتِ توحش میں تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ عمومی رنگ میں فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۚ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ انسان نے جب تمدّنی زندگی کی حالت اختیار کی تو اس وقت بھی اس کی اخلاقی حالت بوجہ اس کے کہ وہ روحانیت سے عاری محض تھا بہت گندی تھی اور تمدّنی زندگی اختیار کرنے سے پہلے بشر ایک وحشت و بربریت کی حالت میں جنگلوں میں آوارہ گرد تھے اور اس مخلوق کو ان آیات میں

جان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کی پیدائش نار سموم سے بتلائی گئی ہے۔ عربی زبان میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوتا ہے کہ فلاں کو مثلاً کمزوری سے پیدا کیا گیا ہے یعنی اس کی طبیعت میں غایت درجہ کی کمزوری ہے یا غصّہ سے پیدا کیا گیا ہے یعنی غایت درجہ غصّہ ہے یا جلد بازی سے پیدا کیا گیا ہے یعنی بدرجہ غایت جلد بازی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ خلق الانسان مِنْ عجل۔ انہی معنوں میں اُس بشری مخلوق کو نار سموم سے پیدا شدہ بتلایا گیا ہے جو انسان یعنی متمدّن بشر سے پہلے جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ ’جان‘ کا لفظ اشتقاقاً اور استعمالاً جانگلیوں پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا آیات میں انسان کی دو مختلف حالتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے اس لئے صلصال کے معنے قرآن مجید نے خود ہی مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کر کے سباق کلام سے بتلا دیئے ہیں کہ اس سے مراد اخلاقی گندی حالت ہے۔ سورۂ کہف میں بھی جہاں اللہ تعالیٰ ایک قوم کا ذکر فی عین حمئۃ کے الفاظ سے فرماتا ہے وہاں بھی اسی قوم کے اخلاق کی گندی حالت کا بتلانا مقصود ہے ؛

غرض سورۂ حجر میں صلصال کے معنے حَمَاٍ مسنون کئے گئے ہیں۔ اور دوسری جگہ لفظ صلصال کے معنے آواز کے کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ رحمان میں فرماتا ہے۔ خلق الانسان من صلصال کالفخّار۔ یہی آیت ترکیب نحوی کے لحاظ سے یوں ہے۔ خلق الانسان من صلصالٍ کصلصال الفخّار۔ یعنی فخّار کی آواز کی طرح۔ جو لوگ صلصال کے معنے فخّار یعنی ٹھیکری کے کرتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں اگر فخّار کے معنے ٹھیکری یا گھڑے کے ہوتے تو آیت کی ترکیب یوں چاہیئے تھی من صلصال من فخّار جیسا کہ سورۂ حجر میں فرمایا من صلصال من حماٍ مسنون۔ پس جسے عربی صَرف و نحو سے تھوڑا سا بھی علم ہے وہ بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ سورۃ رحمان میں صلصال سے مراد محض آواز ہے اور اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے انسان کو ایک ایسی آواز سے پیدا کیا جو مٹی کے برتن کی آواز ہوتی ہے یعنی مبہم غیر ملفوظ آواز سے۔ یہ امر کہ یہاں انسان کی آواز کی ابتدائی حالت کا بتلانا مقصود ہے۔ سورۃ رحمان کی ابتدائی آیات کے سیاق و سباق سے واضح ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے شروع میں فرماتا ہے۔ الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمہ البیان۔ رحمٰن نے پڑھنا سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان سکھایا۔ انسان کا سب سے بڑا ما بہ الامتیاز اس کی وہ قوّت استقرائیہ اور وہ قوّت بیانیہ ہے۔ جس کے ذریعہ سے تمام علوم و معارف ظاہر

ہوئے۔ سورۂ رحمان شروع سے لیکر اخیر تک اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن یہ مقام نہیں کہ مَیں اس کی تفصیلات میں پڑوں ؛

صلصال کا لفظ انسان کے لئے قرآن مجید میں صرف دُو جگہ وارد ہُوا ہے۔ ایک جگہ اس سے نوع بشر کی وہ گری ہوئی اخلاقی حالت مراد ہے جس سے اُٹھا کر اسے روحانی انسان بنایا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ اس سے مراد وہ غیر ملفوظ حیوانوں کی سی آواز ہے جس سے اسے ناطق انسان بنایا گیا ہے ؛

غرض یہ دُو وہ عظیم الشان امتیاز ہیں جن کے ساتھ حضرت آدم علیہ السّلام کو مخصوص کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذہنی اور رُوحانی ارتقاء کی داغ بیل ڈالی اور یہ امتیاز اپنی عظمت اور اہمیّت میں اسقدر بلند ہے کہ ملائکۃ اللہ کو بھی وہاں تک رسائی نہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں انسانوں کے فساد اور خون آشامی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ معاً آدم علیہ السّلام کے ذہنی ارتقاء کا ذکر علّم آدم الاسماء کلّھا سے فرماتا ہے اور جہاں ملائکۃ اللہ کو بوجہ حقیقت کے نہ سمجھنے کے خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مفسد و سفّاک انسان کیا تسبیح قائم کریگا۔ انہیں ان کی اپنی کوتاہی پر آگاہ کیا جاتا ہے۔ اعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون۔ یعنی مَیں جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپا رہے تھے۔ اس آیت سے پوری وضاحت کے ساتھ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عالم کائنات مع اپنی تمام قُوتوں کے خدا تعالےٰ کی تبسیح و تقدیس کا ایک آئینہ ہے لیکن وہ تقدیس و تسبیح بغیر ناطق اور روحانی انسان کے حیزِ کتمان یعنی پردۂ خفا میں ہے۔ نہ ملائکہ کو یہ قُوّت ہے کہ وہ اس عالم کے مُہر سکوت کو توڑیں اور نہ کوئی چیز از خود اپنے اندر و نہ کو ہوَیدا کرتی ہے۔ یہ عالم گراموفون کے ایک ریکارڈ کی طرح ہے جو بغیر سُوئی کی حرکت کے خاموش پڑا ہے۔ انسان کا مقام اس عالم کائنات میں اس سُوئی کی طرح ہے جس کی حرکت کے ساتھ اس کے اسرار ہوَیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی مراد ہے آیت اعلم ما تُبدُون وما کنتم تکتمون سے۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ وہ ماہیّت جو کہ پوشیدہ تھی اور جس کے اظہار پر ملائکہ کو بھی قدرت نہیں دی گئی ظاہر ہو گئی۔ ملائکہ اور ان کے وہ کَونی مظاہر جن میں ان کی طاقتیں متمثّل و متجسّد ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس قائم کر رہی ہیں بوجہ اس کے کہ انہیں قُوّت بیانیہ عطا نہیں کی گئی اس تسبیح و تقدیس کے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ سنکھیا اور تُوتیا میں مفید سے مفید خاصیّتیں اور تاثیریں موجود ہیں اور سینکڑوں سالوں سے موجود ہیں۔ لیکن نہ سنکھیا اور نہ تُوتیا ان خاصیّتوں اور تاثیروں کا پتہ دینے

میں اور نہ اور کوئی چیز۔ بلکہ انسان نے ان چیزوں کا قوّت استقرائیّہ کے ذریعہ سے مطالعہ کیا اور بیان کرکے ان کے خالق کی تسبیح و تقدیس کو ظاہر کیا۔ بغیر انسان کے یہ ساری کی ساری کائنات گُنگ ہے اس جہان کے ریکارڈ پردہ گراموفون کے ہنڈل اور سوئی کا سا کام دے رہا ہے اور اس کے تصرّفات سے اللہ تعالیٰ کی حمد کی مختلف شیریں آوازیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ فلمّا انبأھم باسمائہم قال الم اقل لکم انّی اعلم غیب السّمٰوات والارض واعلم ماتبدون وماکنتم تکتمون۔ یعنی جب آدم نے ان کے اسماء سے ان کو آگاہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بشری مخلوق کی پیدائش کی ضرورت کا انہیں علم دیا اور کہا کہ کیا مَیں نے تمہیں نہیں بتلایا تھا کہ مَیں جانتا ہوں کہ زمین و آسمان کے کیا کچھ اسرار پردۂ غیب میں ہیں اور مَیں جانتا ہوں کہ میری تسبیح اور تقدیس میں سے کیا کچھ تم ظاہر کر رہے ہو اور کیا کچھ چھپا رہے تھے۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو اسرار کائنات عالم کے اور ملائکہ کی پیدائش کے باوجود پوشیدہ تھے وہ آدمؑ کو پیدا کرکے ظاہر کئے گئے ؁

خلاصہ کلام یہ کہ سورۂ بقرہ میں بھی جہاں آدم علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے انسان کی اسی صلصال سرشت کی تشریح ہے جس کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ مَیں نے صلصال کے ایک معنے حمإٍ مسنون کے بتلائے تھے یعنی اخلاقی گری ہوئی حالت۔ سورۂ بقرہ میں بھی اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ کہکر اسی اخلاقی پستی کا ذکر کیا گیا ہے جو انسان کی بغیر رُوحانی نفخ کے ہوتی ہے اور عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کہکر آدم علیہ السّلام کے اسی ذہنی ارتقاء کا ذکر کیا گیا ہے جو سورۂ رحمان کی ابتدائی آیات میں بطور ایک عظیم الشان نعمت الٰہیہ کے بیان کی گئی ہے ؁

قرآن مجید کی ان تمام آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ رکھ کر مطالعہ کرنے سے یہ بات وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے کہ آدم علیہ السّلام بشری تکوین کے سلسلہ ارتقاء کی اُس کڑی پر پیدا کئے گئے ہیں جہاں پہنچکر انہیں (اوّلاً) قوّت ناطقہ عطا کی گئی اور انہوں نے اسماء کلّیہ کی بُنیاد ڈالی (دوئم) نیک و بد کی تمیز عطا کی گئی (سوئم) اور ان کے اندر روحانی قوٰی کا نفخ ہُوا۔ اور انہیں بنی نوع انسان کی اصلاح و رہنمائی کے لئے چُنا گیا۔ پہلی دو باتیں دراصل ایک ہی حقیقت کا پتہ دے رہی ہیں۔ یعنی یہ کہ آدم علیہ السّلام کی قوّت تمیز بہت ترقی یافتہ تھی جس طرح انہوں نے دُنیا کے سیاہ و سفید، کھٹے میٹھے اور چھوٹے بڑے میں فرق کیا۔ اسی طرح انہوں نے

رُوحانی امور میں بھی نیکی اور بدی میں بھی فرق کیا۔ اور یہ قوّتِ تمیز غیر معمولی معلوم ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے:۔

قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی کی تحریکوں کا تعلق ملائکہ سے ہے اور بدی کی تحریکات کا تعلق شیطان سے۔ حضرت آدم سے کہا گیا کہ یہ باغ ہے اس میں اپنی بیوی کے ساتھ رہو۔ وافر نعمت کھاؤ پیو جہاں چاہو آزادی اور سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے۔ فاضلّھم الشّیطان عنھا فاخرجھما ممّا کانا فیہ۔ مگر شیطان نے انہیں بھلایا اور جس حالت میں وہ دونو تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی جنت

یہ باغ کہاں تھا؟ اور کس قسم کا تھا؟ قرآن مجید کے بیان کی روشنی میں اس سوال کا جواب دینا نہایت آسان ہے اور وہ یہ کہ آدم علیہ السّلام کا باغ اُس سطح زمین پر تھا جس میں انہیں پیدا کیا گیا۔ اس کے لئے مجھے قرآن مجید سے حوالے دینے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ جنّت کا لفظ قرآن مجید میں دنیا کے باغات کے لئے بھی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ حضرت آدم اور اُن کی زوجہ کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنے جسم کو پتّوں سے ڈھانپنے لگے۔ پس وہ جنّت کوئی غیر معمولی غیر مرئی شئے نہ تھی بلکہ پتّے رکھنے والے پھل دار درختوں کا جنگل تھا جس میں رہنے سہنے اور کھانے پینے کے سامان مہیّا تھے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جن میں حضرت آدم کی جنّت کا ذکر کیا گیا ہے حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ کے تکوینی حالات کا بھی پتہ دیتی اور بتلاتی ہیں کہ سطح زمین اس وقت جنگلوں سے ڈھپی ہوئی اور انسان کی معیشت کا دار و مدار درختوں اور اس کے پھلوں پر ہی تھا۔ سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ کے متعلق فرماتا ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰی ۝ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی ۝ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَلَا تَعْرٰی ۝ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی ۝ (طٰہٰ آیت ۱۱۶) یعنی جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کے سامنے جھکو تو وہ جھک گئے لیکن ابلیس نہ جھکا۔ اس نے رعونت دکھلائی اور انکار کیا۔ تو ہم نے کہا اے آدم کہ یہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے کہیں تمہیں اس باغ سے نہ نکال دے اور پھر تمہیں تکلیف ہو۔ اسی میں تمہاری بھوک کا بھی سامان ہے اور تمہاری عریانی کے ڈھانپنے کا بھی، اور پیاس بجھانے کا بھی اور دھوپ کی تپش سے بچانے کا بھی۔ یہ آیات بتلاتی ہیں کہ وہ زمانہ ایسا ہے

جس میں انسانی بود و باش کا دارو مدار درختوں پر تھا ورنہ یہ انحصار ان لك ان لا تجوع فیھا ولا تعریٰ بے معنے ہوگا۔ ان لك کی نحوی ترکیب کا یہ مفہوم ہے کہ تجھے اس باغ سے باہر جاکر مشقّت اور تکلیف کی زندگی برداشت کرنا ہوگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت بنی بشر درختوں کے سوا باہر کی مشقّت کے متحمل نہ تھے اور وہ نہ جانتے تھے کہ ان کے بغیر کیونکر زندگی بسر کریں۔ عربی زبان میں جنّت اور غابہ دو مترادف لفظ ہیں جن کے معنے گھنے جنگل کے ہیں اور ان کا اشتقاق (جنّ - غیب) اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں داخل ہونیوالا چھپ جاتا ہے اور اسی وجہ سے جنگل میں رہنے والوں کو جان کہا جاتا تھا بوجہ اس کے جو وہ جنگلوں میں چھپے رہتے تھے۔ جیسا کہ جان ان وحشی اور جنگلی انسانوں کو بھی کہتے ہیں جو پہاڑوں کی کھوؤں میں چھپے رہتے تھے۔ ان آیات پر تھوڑا سا بھی تدبّر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ سے پہلے اور ان کے وقت میں بنی نوع انسان کی حالت وحشی جنگلیوں کی سی تھی جو اپنی ضروریات زندگی جنگل کے درختوں سے ہی پورا کیا کرتے تھے۔ حضرت آدمؑ بھی اسی قسم کے جنگل میں پیدا ہوئے اور اسی میں بود و باش رکھتے تھے اور پھر ایک اپنی غلطی کی وجہ سے ایک سرسبز زرخیز اور پھل دار درختوں سے معمور قطعہ زمین سے انہیں نکلنا پڑا۔ اور جونہی کہ انہوں نے اس جنگلی زندگی کو ترک کیا اس کے ساتھ ان کے ہاتھوں سے ایک نئے تمدّن کا آغاز ہوا *

شجرۂ ممنوعہ وہ درخت کیا تھا جس سے حضرت آدمؑ کو روکا گیا۔ اس سوال کا جواب بھی قرآن مجید نے وضاحت سے دیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے ماحول اور طرز معشیت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سورۃ طٰہٰ میں فرماتا ہے۔ فوسوس لہ الشیطان قال یاٰدم ھل ادلّك علیٰ شجرۃ الخلد وملكٍ لا یبلیٰ۔ یعنی شیطان نے حضرت آدم کے دل میں اس درخت کے متعلق جس کے قریب جانے سے انہیں روکا گیا تھا وسوسے ڈالنے شروع کئے اور ان وسوسوں میں سے ایک یہ وسوسہ بھی ڈالا کہ یہ درخت دائمی زندگی کا درخت ہے اور اس کے ذریعہ ایسی بادشاہت ملتی ہے جو پائیدار ہے اور ان سے کہا مانھاکما عن ھٰذہ الشجرۃ الّا ان تکونا ملکین او تکونا من الخٰلدین ٥ (اعراف : ۲۱) تمہارے ربّ نے اس درخت سے اس لئے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تم ابدی زندگی حاصل نہ کرو وقاسمھما انی لکما من الناصحین اور قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں قد لٰھما بغرور اور اس طرح دھوکا دیکر انہیں بھلا لیا فلما ذاقا الشجرۃ

آیت ۲۲
بدت لهما سوأتهما وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنّة (سورۂ اعراف) جب دونوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو بدی کا میلان نمایاں ہوگیا۔ اور وہ اپنی عریانی کو ڈھانپنے لگے۔ وہ آدمؑ جو مادی کائنات میں اشیاء کے باہمی فرقوں کو محسوس کر کے ان کے درمیان مابہ الامتیاز قائم کرنے پر قادر ہوئے تھے اور ہر شئے کے جدا جدا نام رکھے اب باطنی دنیا میں بھی ان کی نظر نیکی اور بدی کے درمیان فرقوں کو محسوس کرنے لگی اور یہ روحانی تخلیق میں ان کا پہلا قدم تھا۔ قرآن مجید اس بات کی تصریح بایں الفاظ فرماتا ہے۔ فوسوس لهما الشیطان لیبدی ما وری عنهما سوأتهما۔ شیطان نے ان کے دل میں شبہات ڈالنے شروع کئے تا وہ بدی کے میلان جو ان کی نظروں سے اوجھل تھے نمایاں طور پر انکے سامنے آجائیں۔ اس سے پہلے نیکی و بدی کی تمیز سے وہ خالی تھے۔ ان سے گناہ سرزد ہوا تا انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہو اور اس کے بعد انہیں اس کی اصلاح کا موقعہ ملے۔ کمزوری کا علاج بغیر اس کے وجود کے متعلق احساس پیدا ہونے کے ہو ہی نہیں سکتا۔ جو لوگ اپنی کمزوریوں کے متعلق بے حس ہیں وہ ہمیشہ کمزوریوں میں ہی رہتے ہیں۔ گناہ کا احساس درحقیقت اصلاح و تزکیۂ نفس کے لئے پہلا قدم ہے۔ قرآن مجید نے فوسوس لهما الشیطان لیبدی لهما ما وری عنهما سوأتهما فرما کر شیطان کے وجود کی علّت غائی بیان کردی ہے۔ نیز اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا ہے کہ اس نے کس طرح حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو گناہ کی طرف مائل کیا، الفاظ فوسوس لهما بتلاتے ہیں کہ اس نے خیالات کے ذریعہ سے ان پر تصرّف کیا۔ کیونکہ وسوسہ کا لفظ عربی زبان میں خیالات و شبہات پر دلالت کرتا ہے۔ اور طبعاً شیطان ہر انسان کو وساوس کے ذریعہ سے ہی گمراہ کرتا ہے۔ حضرت آدمؑ کے پاس اس کا آنا اور ان کو پھسلانا اپنی نوعیّت میں کوئی غیر معمولی نہ تھا بلکہ اس نے اسی طرح ان کو دھوکا دیا جس طرح دوسرے انسانوں کو وہ دھوکا دیتا ہے ٭

قرآن مجید کے اسلوب تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوعہ درخت کے کھانے سے انہیں اپنی عریانی کا احساس پیدا ہوا اس سے پہلے وہ ننگے رہتے تھے۔ اور اس نئے احساس کے طفیل وہ اپنے ننگ کو درختوں کے پتّوں سے ڈھانپنے لگے۔ اور اس کے ساتھ ہی انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ انہوں نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے انہوں نے کہا ربّنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین یعنی

اے ہمارے ربّ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تُو نے پردہ پوشی نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم تو یقیناً خسارہ اُٹھانے والے ہونگے۔ اس سارے بیان سے اس درخت کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے جس سے حضرت آدمؑ کو روکا گیا تھا۔ اس کے متعلق ایک طرف اللہ تعالیٰ حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی سے فرماتا ہے، لاتقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظّٰلمین اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے یعنی شرک کے مرتکب ہو گے۔ اور دوسری طرف شیطان کہتا ہے کہ تم اس کے پھل کھا کر مقرّب الی اللہ اور ابدی زندگی کے پانے والے ہو گے۔ یہ دو متضاد باتیں بتلاتی ہیں کہ یہ کوئی ایسا درخت ہے جسے مذہبی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک اور گناہ سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں اس کے قریب جانے سے روکتا ہے۔ اور شیطان ان کو اس کے پھل کھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس سے اُس درخت کی مذہبی حیثیت واضح ہو جاتی ہے ؎

یہاں بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا دُنیا میں درختوں کو کبھی مذہبی حیثیت حاصل ہوئی؟ اس سوال کے حل ہونے سے ہمارے موضوع کے ضمن میں بہت سی باتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

تاریخ عالم سے واقف احباب جانتے ہیں کہ ایک لمبے عرصہ تک انسان درختوں کی پوجا کرتا رہا ہے یہاں تک کہ اب بھی ان مقدّس درختوں کے نشان تقریباً ہر ملک میں پائے جاتے ہیں ہندوستان میں پیپل اور بڑ کے درخت مقدّس سمجھے جاتے ہیں اور اگر میرے معلومات صحیح ہیں تو ان کی پوجا بھی کی جاتی اور انہیں مخاطب کر کے کہا جاتا ہے "اے درخت تجھ کو میری نمسکار ہو میں تیری پوجا کرتا ہوں اسے قبول کرو" (بھوشیہ پوران برھم پرب ادھیائے ۱۳۱ شلوک ۳۳)

ژند دوستا کی تعلیم کے ماتحت زرتشتی بھی درختوں کو مقدّس سمجھتے رہے ہیں کہ انہیں ابدیت اور صحت بخشنے کی طاقت حاصل ہے۔ برھما میں درخت کاٹنے سے پہلے اس سے دُعا کی جاتی ہے۔ سیلُون میں 'بد' درخت کا حج کیا جاتا ہے۔ جزائر شرق الہند (انڈونیشیا) میں بھی یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ابتدا میں انسان درختوں سے پیدا ہوئے تھے۔ عبرانی قوموں میں بھی درختوں کے تقدّس کا پتہ چلتا ہے (ملاحظہ ہو پیدائش ۱۲/۶ و قاضیوں ۹/۳۷) عربوں میں بھی اس زمانہ تک کہ جس میں مَیں صلاح الدین ایّوبیہ کالج۔ بیت المقدس میں پڑھایا کرتا تھا درختوں کے تقدّس کا خیال پایا جاتا تھا۔ چنانچہ درخت نیس۔ اور بلوط کو خاص طور پر نظر تعظیم سے دیکھا جاتا تھا اور بعض قدیم مصنّفین بھی 'ملک الامراتش' یعنی جنگلوں کے بادشاہ کا ذکر کرتے اور بتلاتے ہیں کہ زیتون کے درخت کی بھی پُوجا کی جاتی تھی۔ کونسل اوف (Nantes) نے سنہ ۸۹۵ء میں

جبرون یعنی خلیل الرحمٰن میں بعض ایسے درخت کٹوائے تھے جو ابراہیمی بلوط کے آس پاس تھے اور جنہیں مقدّس سمجھا جاتا تھا، ابراہیمی بلوط کو مَیں نے بھی ۱۹۱۶ء میں دیکھا ہے اور مجھے بتلایا گیا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے کھڑا ہے اور لوگ اسے مقدّس سمجھتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلات میں اب تک بھی درختوں کی پوجا کی جاتی ہے یہاں تک کہ ان پر انسانی قربانی کی نذر بھی چڑھائی جاتی ہے۔ انگلستان اور ناروے وغیرہ میں بھی درختوں کی پوجا کی جاتی تھی اور ان ملکوں کی تاریخ میں یہ بات عام طور پر مذکور ہے۔ یہاں تک کہ اب تک بھی اس قدیم عبادت کی یادگاریں قائم رکھی گئی ہیں میسلٹو جس کی انگلستان کے قدیم باشندے پوجا کیا کرتے تھے اس کی شاخوں سے کرسمس کے دنوں میں گھروں کو اب بھی متبرک مقدّس کیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے جو انسان نے ترقی کی بہت سی منازل طے کی ہیں درختوں کے اس تقدّس کے آثار کا ہمارے درمیان اب تک پایا جانا بتلاتا ہے کہ درخت کی عبادت قدیم زمانہ میں انسان کے ساتھ کیا تعلق رکھتی تھی۔ اس زمین پر یقیناً ایسا زمانہ گذرا ہے جب اس کی سطح نباتات سے ڈھپی ہوئی تھی اور انسان اس نباتاتی گہوارہ میں پرورش پاتا تھا اور وہ درختوں کی تاثیر کو اپنی پیدائش۔ اپنی غذا۔ اپنی بود و باش۔ اپنی صحت اور بیماری اور اپنی زندگی اور اپنی موت میں شدّت سے محسوس کرتا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کے تصوّرات اس کے ماحول کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ماحول ہی اس کی کیفیات قلبی اور خیالات ذہنی کی ساخت کو ڈھالتا ہے۔ قدیم یونان میں یونانیوں کے دیوتا زئیس اور جیوپیٹر پہاڑوں کی سربلند چوٹیوں پر رہتے اور شراب نوشی و عیش و عشرت کیا کرتے تھے اور مصریوں کے دیوتا مگرمچھ اور دریائی جانوروں کی شکل میں پانیوں میں رہتے تھے۔ ایسا ہی جنگلوں میں رہنے والے مشرکین کے خدا جنگلوں کے دیوتا تھے۔ چنانچہ سکینڈے نیویا کی مذہبی تاریخ اور اس کے دیوتاؤں کے نام بتلاتے ہیں کہ وہ کیا چیزیں تھیں یورپ کی قوموں نے باوجود اس کے کہ وہ عیسائی ہو چکی تھیں بعض دنوں کے نام انہی دیوتاؤں کے ناموں پر محفوظ رکھے ہیں جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ جیسے ’ووڈن‘، ’تیو‘، ’تھار‘، ’فرائی جا‘ یہ درحقیقت جنگلی دیوتاؤں کے نام ہیں اور ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ درختوں کے اندر پوشیدہ انسانی زندگی میں ہر قسم کا تصرّف کرنے والے ہیں ٭

حضرت آدمؑ ایک مصلح کی حیثیت سے

خلاصہ کلام یہ کہ ایک زمانہ دراز تک درختوں کو انسانوں کے درمیان ایک بہت بڑی مذہبی حیثیت

رہی ہے۔ اور قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مفاسد کی اصلاح کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں حیوان پرستی کا دَور دَورہ تھا اور آپؑ نے اس شرک کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ستارہ پرستی کا دَور دَورہ تھا اور آپؑ نے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر رائج الوقت مذہب تھا اور آپؑ نے اسے پاش پاش کر کے توحید کا سبق لوگوں کو سکھلایا۔ اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران میں اصلاح عالم کی خاطر جہاں ان نبیوں کے انتخاب کا ذکر کیا ہے وہاں حضرت آدم علیہ السلام کا بھی ذکر کرتا اور فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (آیت ۳۴) یعنی اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو قوموں کی اصلاح کے لئے (انہیں سب سے بہتر دیکھ کر) منتخب کیا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے شرک اور اس بارہ میں ان کی مصلحانہ جدوجہد کا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کے شرک اور اس کے لئے ان کی اصلاحی کوشش اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی سحر پرستی اور اس کے ازالہ کے لئے ان کی تدابیر کا ذکر فرماتا ہے تو کیا آدم علیہ السلام کے زمانہ کے شرک اور اس کے قلع وقمع کرنے کے متعلق ان کی جدوجہد کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا؟ یقیناً کیا ہے اور اسی مذکورہ بالا آیت میں بطور اشارۃ النص کے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ آیت اپنے اندر ذہنی ترتیب رکھتی ہے۔ اور اسی ترتیب سے حیوان پرستی۔ ستارہ پرستی اور سحر پرستی یکے بعد دیگرے مشرکین کا غالب مذہب رہا ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں غالب مذہب حیوان پرستی کا تھا تو اس کے یہ معنے نہیں کہ اس وقت کسی اور چیز کی پرستش نہیں ہوتی تھی اور یہ کہ صرف حیوانوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ نہیں۔ بلکہ اس سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ان کے عہد نبوت میں عام مذہب جو اس زمانہ کے طبقہ حاکمہ کا تھا وہ حیوان پرستی تھی وعلیٰ ہذا القیاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کواکب پرستی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر پرستی کا زور تھا۔ اب اس آیت کی ذہنی ترتیب کو مدنظر رکھو اور واقعات کے ساتھ ٹکرا کے دیکھو تو تاریخ عالم آپ کے سامنے اس بات کی شہادت دیگی کہ ٹھیک اسی ترتیب سے شجرہ پرستی۔ حیوان پرستی۔ کواکب پرستی اور سحر پرستی یکے بعد دیگرے دنیا کا غالب مذہب رہا ہے اور اس کے بالمقابل ہر نبی اپنے زمانے کے غالب شرک کو مٹاتا اور توحید خالص قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ یہ ایک باریک استدلال ہے جس کا سمجھنا مشکل نہیں اگر قدیم زمانہ

کی شجرہ پرستی کی تاریخ اور شجرۂ آدمؑ کی شہادت پیش نظر رہے اور اگر اس امر کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا جائے کہ جس درخت سے آدمؑ کو منع کیا گیا تھا وہ موضوع متنازع ہے اللہ تعالیٰ اور شیطان کے درمیان۔ جس کے سوائے اس کے اور کوئی معنے نہیں کہ وہ ایک ایسا درخت تھا جس کا تعلق انسان کے مذہب کے ساتھ ہے۔ اِس سارے بیان کا مدعا اور ماحصل یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کے رُو سے آدم علیہ السّلام وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے شجرہ پرستی کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ کے حُکم سے نعرۂ توحید بلند کیا جیسا کہ نوح علیہ السّلام وہ پہلے نبی ہیں جنہوں نے حیوان پرستی کے خلاف نعرۂ توحید بلند کیا۔ آیت اِنَّ اللہَ اصطفٰے اٰدم و نوحاً الخ میں آدمؑ کے انتخاب کا ذکر ان کی مصلحانہ حیثیت ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ اور اگر ان کے مصلحانہ حیثیت کا یہاں ذکر نہیں تو پھر یہ کہنا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آدم علیہ السّلام کا ذکر کسی مصلح نبی کی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ ان کے لغزش کے دکھلانے کی غرض سے کیا ہے۔ مگر یہ خیال قطعاً صحیح نہیں۔ یہ مذکورہ آیت اپنی ترتیب طبعی کے لحاظ سے اس خیال کو ردّ کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ آدمؑ بھی اپنے زمانہ کے اسی طرح کے ایک مصلح تھے جیسے نوح اور ابراہیم اور موسیٰ علیہم السّلام۔ اور اس بات کی تحقیق و تعیین کہ وہ کیا اصلاح تھی جو انہوں نے کی۔ شجرۂ ممنوعہ کی مذہبی حیثیت اور تاریخ عالم کے پیش نظر ایک آسان امر ہو جاتا ہے۔ اس ایک آیت نے سب سے پہلے اِس سارے مضمون کی طرف میری رہنمائی کی ہے اور میرے لئے یہ آیت بطور اکلید کے ثابت ہوئی جس نے اس مضمون کا نیا دروازہ کھول دیا۔ اس سے میرا ذہن ذہنی ترتیب اور انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ مختلف شرکوں کی اصلاح کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آخر شجرۂ آدمؑ کی مذہبی حیثیت کا مجھے پتہ چلا۔ اور میں اس یقین پر ہوں کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کے ذریعہ شجرہ پرستی کے عقیدہ کے خلاف جہاد کیا گیا اور انسانوں کو توحید کا سبق سکھلایا گیا۔

حضرت آدمؑ کے گناہ کی ماہیت

میں نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السّلام کا ذکر ان کے گناہ کے اظہار کی غرض سے نہیں۔ بلکہ بطور ایک مصلح زمانہ کے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس رنگ سے ان کے گناہ کا ذکر کیا ہے اُس سے ان کی پاکیزہ فطرت کا پتہ چلتا ہے اور گناہ کے داغ سے وہ بری قرار دیئے جاتے ہیں جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولقد

عہدنا الیٰ اٰدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزماً (۱۲۰) ہم نے اس سے قبل آدم کو بھی حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا اور بالارادہ نافرمانی کی بات ہم نے اس میں کوئی نہیں پائی۔ بلکہ جو کچھ بھی ان سے سرزد ہُوا محض بھول سے ہُوا۔ اور اسی سورۃ میں اس مضمون کو چلاتے ہوئے فرماتا ہے۔ وعصیٰ اٰدم ربہ فغویٰ (۱۲۶) اور آدم نے اپنے ربّ کی بات نہ مانی تو مشکلات میں پڑ گیا۔ غویٰ کے معنے ہیں فَسَدَ عَلَیْہِ عَیْشُہٗ (لسان العرب) یعنی ان کی زندگی مُنغّص ہو گئی۔

لیکن چونکہ یہ گناہ بالارادہ نہیں بلکہ نسیان کی وجہ سے تھا۔ علم ہونے پر انہوں نے توبہ و استغفار سے کام لیا اور خدا تعالیٰ کی اطاعت میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھلایا (ثمّ اجتبٰہ ربّہ فتاب علیہ وھدیٰ) کہ اس کے بعد اس کے ربّ نے اسے اپنے لئے چُن لیا اور اس پر شفقت کی نظر کی اور رہنمائی فرمائی۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السّلام کی یہ غلطی اپنے اندر تطہیر اور تزکیہّ کا سامان رکھتی تھی اور اس کے باعث وہ اعلیٰ درجہ کا رُوحانی شعور اور احساس ان کے نفس میں بیدار ہو گیا جس کے ذریعہ سے ایک رُوحانی انسان نیکی اور بدی کے باریک فرقوں کو دُور سے دیکھ لیتا ہے۔ آدم علیہ السّلام کی نیک فطرت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ شیطان نے انہیں گناہ کی تحریک گناہ کی راہ سے نہیں کی بلکہ نیکی کے راستے خوبصورت خیالات کی چادر اوڑھ کر ان کے پاس آیا اور ان سے کہا مَا نَھٰکُمَا رَبُّکُمَا عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَا مَلَکَیْنِ اَوْ تَکُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ o (عراف ۲۱) یعنی اِس شجرۃ الخلد کا پھل تمہاری پاکیزگی اور نجات اور ابدی زندگی کا موجب ہوگا اور تم مقرّبان بارگاہ الٰہی بن جاؤ گے۔ فَدَلّٰھُمَا بِغُرُوْرٍ اس طرح دھوکا دیکر انہیں پھسلایا۔ اِس نیکی کی تحریک سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام اپنی معنویات کے لحاظ سے اس اعلیٰ درجہ کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جن پر شیطانی داؤ گناہوں کی تحریکوں سے اثرانداز نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں نیکی کے لباس میں استقامت سے اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت شیطان کے اس قسم کے فریب کا نتیجہ ہے جو اس کی جدوجہد کی آخری منزل ہے نجات دینے اور ان کے رُوحانی نشو و ارتقا کی آخری منزل پوری کرانے کی غرض سے تھی۔ سو وہ منزل انہوں نے سلامتی کے ساتھ طے کی اور اس لئے بنی نوع

انسان کے لئے رہنما بنے۔ اِس لغزش سے انہیں وہ نور بصیرت حاصل ہُوا کہ وہ اس کے بعد اپنی باطنی دُنیا کی کیفیات صالحہ اور غیر صالحہ کے درمیان باریک سے باریک فرقوں کو بھی شناخت کرنے کے قابل ہو گئے جیسا کہ اس سے قبل ظاہری دُنیا کی کائنات کے مابین فرقوں کو دیکھنے پر قادر تھے۔ اور یہ وہ امتیاز ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جس کی وجہ سے انہیں ان کے ہم جنسوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ اور یہ بہت ہی بڑا امتیاز تھا۔ اور اِس امتیاز کے بالمقابل ان کی وہ لغزش ایک مبارک لغزش تھی جس نے امتیاز یعنی قوّتِ تجرید و تمیز کو اور بھی جِلا دی ؛

درحقیقت اگر قرآن مجید کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس کی رُو سے ان کی لغزش سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انہیں ایک درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کا پھل کھایا۔ قریب جانے سے اس لئے نہیں روکا گیا تھا کہ ان کے متعلق یہ اندیشہ تھا کہ وہ ایک صریح حُکم کے خلاف درخت کے پاس جا کر اس کی پرستش کریں گے۔ آیت ولقد عھدنا الیٰ آدم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس بارہ میں صریح ہدایت تھی کہ خدائے قدوس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی۔ درخت کے قریب جانے سے ان کو روکنا بطور ایک احتیاطی تدبیر کے تھا ٹھیک اسی طرح پر جس طرح کہ مسلمانوں کو حُکم ہے کہ وہ سورج چڑھے نماز نہ پڑھیں تا سورج پرست مشرکین کی عبادت میں خدا پرست لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی مشارکت یا مخالطت نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ظاہری مشارکت یا مخالطت بھی بعض اوقات کشاں کشاں بدنتائج پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اِس سے منع کیا گیا۔ ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ فتکونا من الظّٰلمین کی نہی بھی اِسی قسم کی مخالطت سے تعلّق رکھتی ہے۔ ایک چھوٹی سی نافرمانی بھی بسا اوقات انتہائی نتیجہ پیدا کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے محارم ایک شاہی رکھ (چراہ گاہ) ہیں۔ اس کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جو اس کے آس پاس چرتا ہے وہ اس میں داخل ہو۔ پس اسی قسم کی احتیاط کے پیش نظر حضرت آدم علیہ السّلام کو درخت کے قریب جانے سے منع کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس حکم کو معمولی سمجھ کر درخور اعتناء نہ سمجھا اور اسے کوئی اہمیّت نہ دی۔ مگر اس کا پھل کھانے پر انہیں اپنی غلطی کا علم ہوا۔ اطاعت اور عدم اطاعت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ حکم چھوٹا ہے یا بڑا۔ مفید ہے یا غیر مفید۔ بلکہ اس روح کو دیکھا جاتا ہے جو ان کے پیچھے کام کر رہی ہوتی ہے

اور بعض وقت دُور کے نتائج کو بھی دیکھا جاتا ہے ایسا ہی یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کسی غلطی کا مرتکب کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو دوسروں کے لئے بطور رہنما اور نمونہ ہے اس کی معمولی لغزش بھی بڑی ہوتی ہے۔ پس حضرت آدمؑ کی لغزش میں ہم نے یہ نہیں دیکھنا کہ وہ ایک معمولی سی لغزش تھی بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ اس سے کیا کیا نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک معمولی سی حُکم عدولی بھی نافرمانی کی روح کو بڑھانے کے لئے اپنے اندر سامان رکھ سکتی ہے اور انسان کے روحانی سرمایہ کو آنِ واحد میں تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ نافرمانی نافرمانی ہے اور گناہ گناہ۔ بظاہر نیکی کے خیالات اور نفس کی ملمع سازیاں گناہ کی ماہیت میں تبدیلی پیدا کر سکتی ہیں۔ کوئی شخص آگ کے انگارے کو سونے کی ڈلی سمجھ کر اس کی جلن سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالےٰ کا رحم اسے محفوظ رکھے۔ یہ وہ سبق ہے جو آدم علیہ السّلام کی لغزش میں جیسے آدم علیہ السّلام کو سکھلایا گیا ہمیں بھی سکھایا گیا ہے۔ اور اسی پُر حکمت سبق سکھلانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السّلام کا واقعہ قرآن مجید میں بیان کیا۔ فَنَسِيَ ولم نجد له عزما کہکر جہاں گناہ کی نیت و قصد سے ان کو بری قرار دیا وہاں عصی آدم فغوی کہکر ان کی اس بھُول کو معصیت قرار دے کر اس کا نتیجہ بھُگتنے کا بھی ذکر فرمایا۔ لیکن چونکہ نیّت بخیر تھی اور غلطی کا علم ہونے پر شدید ندامت کا اظہار کیا اور توبہ و استغفار سے انہوں نے اپنی اصلاح کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں سنبھالا اور اپنے رحم اور قرب سے انہیں نوازا ؎

یہاں یہ ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ مذکورہ بالا دو آیتوں میں غلطی کے ارتکاب کا ذمّہ وار حضرت آدم علیہ السّلام کو نہ کہ ان کی بیوی کو ٹھیرایا گیا ہے جبکہ لا تقربا هٰذه الشجرة میں مخاطب دونو تھے۔ اور دونو کو شیطان نے ورغلایا تھا اور دونو نے ممنوعہ درخت کا پھل کھایا۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ آدم علیہ السّلام کو ہی توحید باری تعالےٰ کا حُکم دیا گیا تھا اور وہی اس بات کے ذمّہ وار تھے کہ اِس ضمن میں تمام متعلقہ ہدایات کی

پابندی اور ضروری احتیاطیں اختیار کرتے اور دوسروں سے بھی کراتے۔ ان کی ٹھوکر کے ساتھ ان کی بیوی نے بھی ٹھوکر کھائی اور اگر وہ اس موقعہ پر سنبھلتے تو دوسروں کے لئے بھی سنبھلنے کا نمونہ قائم ہوتا۔ اس لئے قرآن مجید نے عین حکمت سے ان کی بیوی کی غلطی سے اغماض کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کی ذمہ داری کا ذکر کھلے الفاظ میں کیا ہے ٭

والسلام

سید زین العابدین ولی اللہ شاہ

قادیان دارالامان
پنجاب

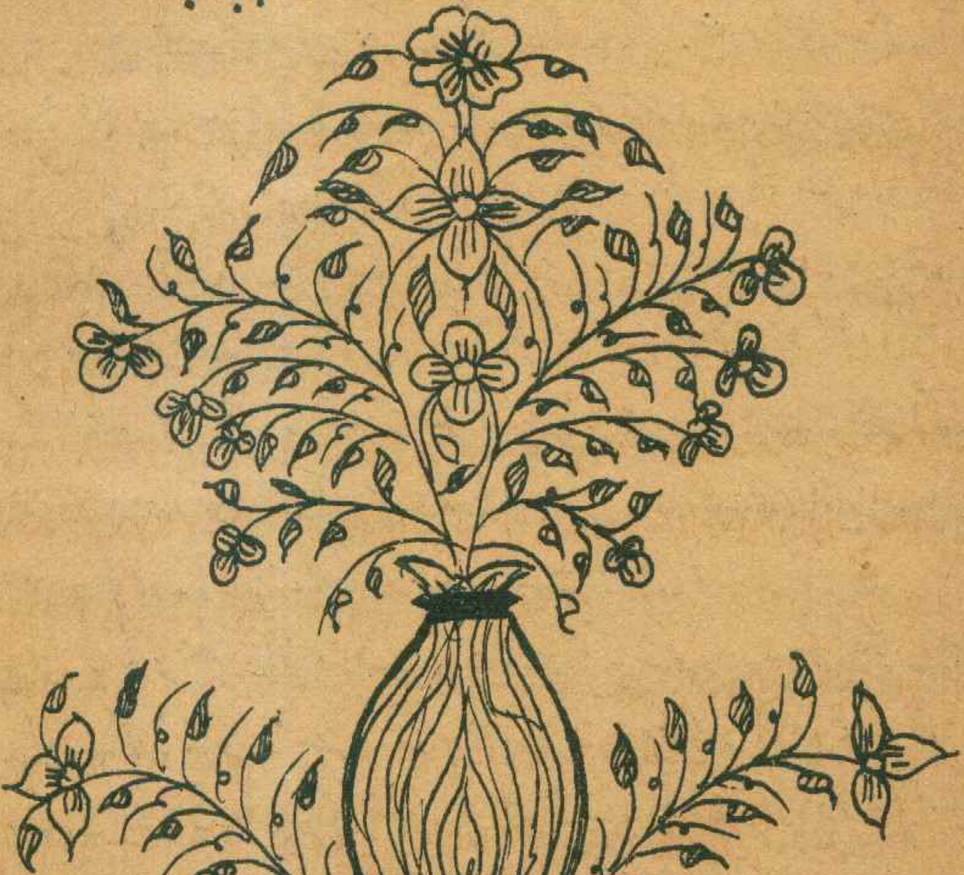

علوم و فنون کی ترقی مسلمانوں کے ذریعہ

رقوم و ہندسہ:۔ نولدیکی مشہور یوروپین لکھتا ہے کہ رقوم ہندسہ عربوں نے اہل یوروپ کو سکھایا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۲۰۰۔

علم رمل و نجوم:۔ عیسائی مؤرخ طامس بکل کہتا ہے کہ اہل عرب نے علم رمل و نجوم کو ترقی دیکر سائنس کے درجہ پر پہنچایا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ ہسٹری آف دی سویلیزیشن آف یوروپ جلد ا صفحہ ۷۴۔

تیز آب:۔ ڈاکٹر ڈیپر کی تحقیقات سے۔ ثابت ہوتا ہے۔ کہ تیز آب عربوں نے ایجاد کئے ہیں۔ انٹلکچویل ڈویلمنٹ آف یوروپ جلد ا صفحہ ۴۰۸۔

بارود:۔ عیسائی مؤرخ جرجی زیدان فرماتے ہیں۔ کہ بارود مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں نے ایجاد کر کے یوروپ کو سکھائی۔ اور خوبی یہ ہے۔ کہ بارود کے اجزاء آج بھی وہی۔ اور اسی تناسب و مقدار سے ہیں۔ جو عربوں نے ترتیب دیئے تھے۔ تمدّن عرب جلد ا صفحہ ۱۹۹۔

عملی مکینکس:۔ ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں۔ کہ عربوں نے عملی مکینکس کے آلات ایجاد کر کے یوروپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا۔ جن کو یوروپین اور امریکن آج کام میں لا رہے ہیں۔

فلسفۂ یونان:۔ مشہور مؤرخ مارگولیتھ لکھتے ہیں۔ کہ صرف مسلمانوں کی بدولت یوروپ میں فلسفہ یونان پھر زندہ ہُوا۔ (منسٹرم صفحہ ۲۴۴)

یوروپ کے استاد:۔ پروفیسر رینالڈس نکلس لکھتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے مختلف شعبہ جات علوم میں قیمتی اضافے کئے لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے یوروپ کو بڑی فیاضی سے علوم اور فنون سکھائے۔ (لٹریری) ہسٹری آف دی عربز صفحہ ۳۵۹۔

علم طب:۔ ساری دُنیا کو تسلیم ہے۔ کہ علم طب جس سے امراض بدن کا علاج ہوتا ہے۔ وہ اپنی موجودہ شکل میں مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ "تمام علوم یونانی"، مسٹر ہائید کہتے ہیں۔ کہ تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصلی ذریعہ سے ہم تک (یعنی یوروپین قوم تک) پہنچا ہے وہ پہلے پہل ہم کو عربوں نے عنایت کیا تھا (ملاحظہ ہو ہسٹورنس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۲۷۶۔

علوم و فنون کی اشاعت:۔ جان کلرک رڈپاتھ لکھتا ہے کہ یوروپ میں علوم و فنون صرف عربوں نے پھیلائے انسائیکلو پیڈیا آف یونیورسل ہسٹری جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۔

وحشی یوروپ کو انسان بنایا: - مشہور ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں کہ تمدن اسلامی کا بہت ہی زبردست اثر ساری دُنیا پر رہ چکا ہے۔ مسلمانوں نے یوروپ کی ان وحشی قوموں کو انسان بنا دیا جنھوں نے رومیوں کی سلطنت کو فتح کیا تھا۔ مسلمانوں نے یوروپ میں علوم و فنون۔ ادب و فلسفہ کا دروازہ کھول کر احسان کیا۔ جس سے ہم یوروپین قطعی ناواقف تھے اور مسلمان ۶ سو برس تک مشرق سے مغرب تک سارے یوروپ کے اُستاد رہے۔

علم الجبر و مقابلہ: - یعنی الجبر کی بابت عیسائی مؤرخین جرجی زیدان کہتا ہے کہ مسلمانوں کی ایجاد ہے ملاحظہ ہو کتاب علم عرب صفحہ ۲۲۷ مصنفہ جرجی زیدان و تمدن عرب صفحہ ۲۴۰۔

گھڑی: - عیسائی مؤرخ ڈاکٹر ڈریپر کہتے ہیں۔ کہ گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہے خلیفہ ہارون رشید نے سنہ ۸۰۷ء میں عیسائی بادشاہ شارلمین کے دربار میں ایک گھڑی بھیجی۔ تو درباریوں نے حیرت سے اُسے جادو خیال کیا۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۹۶ زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف صفحہ ۶۹۔

قطب نما: - عیسائی مؤرخین ڈاکٹر لیبان و موسیو سدیو کہتے ہیں۔ کہ قطب نما جسکے بغیر سمندر کا راستہ طے ہونا ناممکن ہے۔ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۴۴۰۔

روئی کا کاغذ: - مشہور فرانسیسی مؤرخ موسیو سدیو لکھتے ہیں کہ یوسف بن عمر نے سنہ ۷۰۲ء میں روئی کا کاغذ ایجاد کیا۔ ملاحظہ ہو ہسٹورنیس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۲۷۵۔

بندوق: - دُنیا میں سب سے پہلے شہنشاہ بابر کے ہاتھ میں دیکھی یا تو اس کی ایجاد تھی یا کسی ترک کی۔ ص ۵۱۳

تمدن: - ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے کہ "عربوں کی بدولت یوروپ نے تمدن حاصل کیا۔ تمدن عرب مترجمہ سید علی بلگرامی

انجینیئری: - فرانسیسی مؤرخ موسیو سدیو لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے نوی صدی عیسوی سے پندرھویں صدی عیسوی تک بیش بہا ایجادات کی ہیں۔ انجینیئری کے اہم انکشافات انہی کی ایجاد ہیں" (ہسٹورنس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۲۷۵)

اخلاق: - ڈاکٹر لیبان و موسیو بارتھیلمی سینٹ ہلیر کہتے ہیں۔ کہ "عربوں کی معاشرت اور تقلید نے یوروپ کے امراء کی عادتوں کو درست کیا۔ اور انہیں بہتر انسانی عادات و اخلاق سکھائے۔" (تمدن عرب صفحہ ۵۴۲)

جمہوری سلطنت: - جمہوری سلطنت اور طریقہ انتخاب قرآن شریف میں صاف مذکور ہے۔ بادشاہ کے لئے حکم ہوتا ہے۔ وشاورھم فی الامر یعنی مسلمانوں سے معاملات میں مشورہ کر لیا کرو۔ اور اس تعلیم کے عملی نمونہ کیلئے صرف یہ کہدینا کافی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم اور ان کے چار خلفاء نے اپنے بعد کوئی جانشین یا خلیفہ نامزد نہ فرمایا۔ اور خود چاروں خلفاء راشدین کا تقرر مسلمانوں کے ذریعہ انتخاب سے ہوا۔ لیکن یوروپ کہتا

ہے۔ کہ جمہوریت اس کی ایجاد ہے۔ جو غلط ہے۔ یوروپ اسوقت وحشی تھا۔ اس کے باشندے برہنہ پھرتے تھے۔
فلسفہ ارسطو:۔ عیسائی مؤرخ اے ڈبلیومین کہتا ہے۔ کہ ارسطو کا فلسفہ سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی یوروپ کو سکھایا۔ (ہسٹری اف ماڈرن فلاسفی (ازاے ڈبلیومین صفحہ ۳)
طریقہ استقراء:۔ ڈاکٹر ڈریپر صاحب کہتے ہیں۔ کہ حضرت امام غزالی رح نے اپنی منطقی تصنیفات میں استقراء کی بنیاد ڈالی۔ طریقہ استقراء کو بیکن سے منسوب کرنا گویا تاریخ فراموش کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو کانفلکٹ بٹوین ریلیجسن اینڈ سائنس صفحہ ۲۳۲) لارڈ میکالے بھی یہی کہتے ہیں اور جرمنی سیاح مسٹر ہمبولڈ بھی انتخابات کا قائل ہے۔ (تمدن عرب صفحہ ۴۰۰)
نظریہ ارتقاء:۔ ایولیوشنری کی بابت یوروپ کا یہ خیال ہے۔ کہ یہ تھیوری مسٹر ڈارون کی ہے کہ انسان پہلے بندر تھا۔ اس کے بعد ترقی کرتے کرتے انسان ہوگیا۔ لیکن ڈاکٹر ڈریپر صاحب کہتے ہیں کہ ڈارون صاحب کے پیدا ہونے سے کئی صدی پہلے نظریہ ارتقاء کی تعلیم مسلمانوں کے مدارس میں دیجاتی تھی کانفلکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس صفحہ ۱۱۸ مفصل کیفیت کیلئے ملاحظہ ہو۔ کتاب معارج الدین مصنفہ پروفیسر نواب علی ایم۔ اے (بڑودہ کالج)
تنقید التاریخ:۔ عیسائی مؤرخ ابو الفرج ملطی ڈاکٹر پوکاک اور مسٹر گبن فرماتے ہیں۔ کہ تنقید التاریخ جسے جرمن زبان میں تنقید استاد کہتے ہیں۔ دراصل ایک اتحاد اسلامی ہے۔ (محمدؐ نزم صفحہ ۲۴۸)
علم جغرافیہ:۔ مسلمان ہی وہ پہلی قوم تھی۔ جنہوں نے بلاد بعید کا سفر کیا۔ تمام دنیا کے عجائبات دریافت کئے۔ حدود زمین کی پیمائش کی۔ عیسائی مؤرخ و جغرافیہ دان مسٹر ملطبیر دل لکھتا ہے۔ کہ کولمبس سے پہلے عرب کی جماعتیں دریاؤں کا سفر کرتی تھیں۔ اور عجیب و غریب مقامات اور زمینوں کی تلاش بحر الطلانطک میں کرتے پھرتے تھے۔ (آئینہ عرب صفحہ ۱۱۰)
موسیو لیبان کہتے ہیں۔ کہ عربوں نے یونانیوں کی فاش جغرافیہ کی غلطیوں کو درست کیا۔ اور فن جغرافیہ کو ایک سائنس بنادیا۔ سیاست اور اسفار کے لحاظ سے انہوں نے ایسے سفر نامے شائع کئے۔ جن سے دنیا کے ان ممالک کے حالات جو پہلے معلوم نہ تھے۔ اور جہاں اہل یوروپ کا گذر تک نہ ہوا تھا۔ ظاہر ہوئے۔ تصنیفاتی جغرافی کے لحاظ سے مسلمانوں نے وہ کتابیں لکھی تھیں۔ جنہوں نے پہلی تصنیفات کو بیکار کردیا۔ اور ان نئی تصنیفات کی تقلید یوروپ کئی سو سال تک کرتا رہا۔
علم آثار:۔ پروفیسر مارگولیتھ کہتے ہیں۔ کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں دو مشہور مسلمان سیاحوں ابن جریر اور ابن بطوطہ کے سفر نامے ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے ابن بطوطہ کا سفر نامہ

عالمانہ آثار قدیمہ (ارکیالوجی) کے لئے معلومات کی ایک کان ہے۔ (محمڈنزم صفحہ ۲۴۳)

علم ہیئت: - ڈاکٹر ڈریپر صاحب کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے ان تمام ستاروں کی فہرست مرتب کی۔ جو انہیں نظر آئے۔ اور بڑے بڑے ستاروں کے نام رکھے۔ جو آج تک تبدیل نہیں ہوئے۔ انہوں نے یہ اصول دریافت کیا۔ کہ شعاع نور ہوا میں بشکل قوس گذرتی ہے۔ چاند اور سورج کے افق پر نظر آنے کی توجیہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اجرام قبل از طلوع اور بعد از غروب کیوں دکھائی دیتے ہیں۔ شفق کی اصلیت اور ستاروں کے جھلملانے کی صحیح وجہ دریافت کی۔ یوروپ میں سب سے پہلے جو رصد گاہ قائم ہوئی وہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی تھی، ان کی رائیں اور ان کے نتیجے اس قدر صحیح ہیں۔ کہ زمانہ حال کے ماہران فن ریاضیات ان کے رصدی نتائج سے اسناد کرتے ہیں۔ (کانفلاکٹ صفحہ ۱۵۵-۱۵۹)

فن جراحی: - مسٹر ہلران فرماتے ہیں۔ کہ فن جراحی اور بہت سے آلات جراحی کا موجد الیقاسس عرف ابوالقاسم ابن عباس القرطبی الاندلسی الزہراوی (المتوفی ۱۱۰۶ء) ہے۔ جن کی تصاویر اس کی کتابوں میں درج ہیں۔ پتھری نکالنا۔ جو اسوقت بالکل جدید عمل سمجھا جاتا ہے۔ دراصل اس نامور جراح کی ایجاد ہے۔ دنیا کے تمام جراحوں کا یہی شخص استاد ہے۔ اس کی تصانیف تمام یوروپ میں موجود ہیں (تمدن عرب صفحہ ۱۵۱۴ فن جراحی مطبوعہ آکسفورڈ ۱۸۷۸ء دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۳۱۴)

الکیمیا: - مورخ گبن لکھتا ہے۔ کہ علم کیمیا اپنے ارتقاء اور اصلیت کے اعتبار سے اہل عرب کی ایجاد ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے قرع انبیق (عرق کھینچنے کا آلہ) ایجاد کیا۔ نیز آب ایجاد کئے۔ نائٹرک ایسڈ، نائٹروہیڈرو، کلورک ایسڈ، پوٹاس، ایمونیا۔ نائٹریٹ آف سلور کاربائیڈ آف مرکیوری وغیرہ کیمیاوی مادے نکالے۔ سلفرک الکحل جیسی چیزیں اختراع کیں۔ زہروں کو دواؤں میں تبدیل کیا گیا۔ غاز (گیس) کی خاصیتیں دریافت کیں۔ (دمن امپائر جلد ۵ صفحہ ۱۵۱۴ اور اسلکچویل ڈویلپمنٹ آف یوروپ جلد اوّل صفحہ ۴۰۵) (مولانا اشفاق حسین صاحب)

(تنظیم)

ریویو آف ریلیجنز (اردو) کی امداد

کئی طریق سے ہو سکتی ہے:۔

(۱) آپ اس کے خریدار بن جائیں (۲) اگر پہلے سے خریدار ہیں تو کسی دوسرے بھائی کو خریدار بنائیں۔ (۳) بقایاداروں کو تحریک کریں کہ وہ اپنا بقایا ادا کر دیں۔ (۴) جن ٹریکٹوں اور رسالوں کا اشتہار ہے وہ آپ مناسب تعداد میں دفتر سے منگوا کر اشاعت کے فرض سے سبکدوش ہوں:

(مینیجر)

آریہ سماج کی حالت

نومبر کے آخری ہفتہ میں حسب معمول آریہ سماج لاہور کا وارشک اُتسو ہُوا۔ یہ جلسہ اس بار اچھّا نہ رہا۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آریہ سماج اپنے لئے نئی دلچسپیاں پیدا نہیں کر رہا اور یہ بڑھاپے کا نشان ہے۔۔۔ اوّل تو کوئی نیا پروگرام آریہ سماج کے سامنے آتا ہی نہیں۔ اور اگر آتا ہے۔ تو چلتا نہیں۔ کیونکہ لوگوں کو اتنی دلچسپی نہیں۔۔۔ جس طرح آریہ سماج اپنے وقت سے پہلے بوڑھا ہو رہا ہے۔ اسی طرح "پرکاش" بھی قبل از وقت مضمحل ہو رہا ہے۔ اگر کسی تحریک کے کمال و زوال کا پتہ لگانا ہو۔ تو یہ دیکھو۔ کہ اس کے اخبارات کی کیا حالت ہے۔ اگر یہ اصول درست ہے۔ تو کہنا پڑے گا۔ کہ آریہ سماج ترقی نہیں۔ بلکہ تنزّل کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کے اخبارات کی حالت بہت اچھی نہیں۔ سب کے متعلق تو مَیں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اکثریت ایسی ہے۔ جو خسارہ پر چل رہی ہے۔ اخبارات کا کثیر الاشاعت نہ ہونا اس بات کا پرمان ہے۔ کہ لوگوں کی آریہ سماج سے رُچی کم ہو رہی ہے۔ یہ ایک موٹی بات ہے۔ کہ جس تحریک سے لوگوں کو رُچی ہوتی ہے۔ اس کی گنتی جاننے اور اس کے سماچار پڑھنے کے لئے وہ بے صبر ہوتے ہیں۔۔۔ اخبارات زندہ رہیں۔ مجھے اس بات کی چنتا اس لئے ہے۔ کہ ہر ایک سوسائٹی کی ترقی کے لئے اخبارات کی ہستی ضروری ہے۔ اگر آریہ سماج کا پریس کمزور ہو گیا۔ تو آریہ سماج لازمی طور پر کمزور ہو جائے گا۔ اور آریہ سماج کے ہتیشیوں کو یہ بات بھلی بھانتی سوچ لینی چاہیئے۔ (پرکاش لاہور)

اچھوتوں کی تعداد

پنجاب کی فہرستوں کے مطابق دلتوں کی کل تعداد ۶۸۴۲۲۹ تھی۔ مرکزی دفتر نے ۷۴۵۷۶ بڑھا کر ان کی تعداد ۷۶۶۸۰۵ کردی۔ پرائیویٹ طور پر بھی سوسائٹیوں نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ پنجاب میں ہریجنوں کی تعداد پونے ۱۱ لاکھ ہے۔ جن میں پونے چار لاکھ آد دھرمی ہیں۔ جو ضلع جالندھر میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ عیسائی اچھوتوں کی تعداد تین لاکھ ہے۔ جو تقریباً ہر ایک علاقہ میں ملتے ہیں۔ مسلّی دو لاکھ ہیں۔ ان کی تعداد منٹگمری۔ ملتان۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ جھنگ اور لائلپور وغیرہ اضلاع میں زیادہ ہے۔ باقی ۷ لاکھ بالمیکی ہندو ہیں۔ بالمیکی اچھوت

جالندھر۔ ہوشیارپور۔ لدھیانہ۔ امرتسر۔ فیروزپور۔ شملہ۔ انبالہ اور راولپنڈی میں پائے جاتے ہیں ؛

مسلمانوں کی حالت

تمام دیگر فرقوں سے اہل حدیث موحّد اور بیدار فرقہ ہے اس کا آرگن اہلحدیث ایک مضمون لکھتا ہے:۔

"جن کاموں کو غیر کرتے تھے۔ جن کاموں سے مسلمانوں کو نفرت تھی آج وہی کام ہم مسلمان اور ہم اہل حدیث کر رہے ہیں۔ یعنی دعویٰ موحّد ہونے کا ہے۔ مگر برعکس اس کے ہم حکام پرست اور نفس یا خواہش پرست ہیں۔ نماز کے تارک بن کر مشرک و کافر ہیں۔ دعویٰ ہے کہ قاطع بدعت ہیں مگر مولود، تیجہ، چالیسواں، برسی، کونڈہ، رجبی، ہزاری روزہ، ارسی، مصحف، سالگرہ، صحنک، تعزیہ برداری۔ فاتحہ، نیاز نذر (لغیر اللہ) قبر پرستی، سبیل امام وغیرہ زناکاری، اغلام، جھوٹ، غیبت، رشوت، سُود خواری، چوری، وغیرہ یہ کام ہم لوگوں کے ہیں یعنی ان کا جو زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان مومن ہیں اور کہتے ہیں لا الٰہ الاّ اللّٰہ محمد رسول اللہ اور کام کرتے ہیں غیر مسلموں کے۔ مُسلم کے معنی ہیں اللہ و رسول کا حکم بردار، تابعدار۔ اور طرز عمل ہمارا بتاتا ہے کہ ہم اللہ و رسول کے نافرمان ہیں اور ہمارا ہر کام خدا و رسول کے خلاف ہے۔ ہم میں باہم اتحاد و اتفاق نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ کا حکم ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم فاصبروا (جھگڑا نہ کرو ورنہ قوّت مردمی سلب ہو جائے گی اور بنی بات بگڑ جائے گی) واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (قرآن و حدیث پر مضبوطی سے عمل کرو اور متفرق و متشتت نہ ہو جاؤ) ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (اللہ و رسول کے راستہ صراط مستقیم کے پیروی کرو اور الگ الگ نہ رہو) مگر برعکس اس کے ہم اپنے بھی آپس میں اختلاف اور نزاع ڈالتے ہیں اور الزام شیطان کو لگاتے ہیں۔" (اہلحدیث امرتسر۔ ۸ جنوری ۱۹۳۷ء)

کیا باوجود اس کے بھی کسی مصلح ربّانی کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا جائے گا ؛

ہند میں عیسائی مشنوں کی سرگرمیاں

رسالہ المائدہ لکھتا ہے :۔

"۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد ۶۲،۹۶،۷۶۳ تھی۔ جن میں ہندوستانی مسیحی ۵۹،۹۰،۲۳۴ تھے۔ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ہندوستان بھر میں اس وقت ۳۷۷ مشن کام کر رہے ہیں۔ مبلغین کی

تعداد ۶۲۱۳ ہے۔ جن میں ۱۱۲۳ مرد ۱۴۵۰ شادی شدہ عورتیں اور ۳۶۳۴ غیر شادی شدہ عورتیں ہیں۔ ہندوستان کی تیس ۳۰ مختلف زبانوں میں بائیبل کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ مذکورہ بالا ۳۷ مشنوں میں اس وقت ماہوار خرچ ۳۰۰۰۰۶۶ روپیہ ہے اس کے علاوہ ۵۵ کالج، ۲۱۸ ہائی سکول ۶۵ زراعتی سکول، امداد باہمی کی شاخیں - ۶۹۔ مختلف کارخانے، ۳۶ دستکاریوں کے سکول، ۲۱۲ مشنریوں کے سکول ۱۰۔ مڈل سکول ۲۲۱۱ ٹریننگ سکول ۹۷۔ پادریوں کے سکول ۹۵۔ دیہاتی ۴۵ مسیحیوں کے سکول و ہسپتال ۶۵۔ سوشل درسگاہیں ۲۷۔ ڈسپنسریاں ۲۳۶۔ مشنریوں کے ریسٹ ہاؤس ۲۸۔ کوڑھی خانے ۱۱۴۔ رسائل اخبارات وغیرہ - ۱۳۰۔ بیوہ خانہ ۹۷۔ بہروں گونگوں کے لئے سکول ۱۶ یتیم خانے ۱۱۲۔ تپ دق کے ہسپتال ۱۱ وغیرہ انسٹی ٹیوشن ہیں "

یہ دیکھ کر ہمیں اپنے کام اور ذمہ داری کا احساس جس حد تک ہونا چاہیئے وہ ظاہر ہے۔

ہندوستان کے عجائبات

بھوپال میں ایک عورت کو ایک ایسی بوٹی معلوم ہے۔ جس کو نچوڑ کر پگھلی ہوئی قلعی پر جب ڈالتی ہے۔ تو وہ سونا ہو جاتا ہے۔ گلانے سے یا تیزاب میں ڈالنے سے خالص سونے کا رنگ برقرار رہتا ہے۔ غرضیکہ سونے کے پرکھنے کے جسقدر معیار ہیں ہر ایک پر وہ مصنوعی سونا پورا اُترتا ہے سوائے وزن کے۔ مگر وہ عورت کسی کو نسخہ نہیں بتلاتی ؛

مہاراجہ رتلام کو ایک بُوٹی ایسی معلوم ہے کہ سانپ کے کاٹے ہوئے کو جب وہ کھلا دی جاتی ہے تو وہ زہریلے سے زہریلے سانپ کے اثر کو بھی اُتار دیتی ہے۔ اور سینکڑوں آدمی اس سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں ؛

حیدرآباد دکن میں ایک آدمی کو ایسی بُوٹی معلوم ہے۔ کہ جب وہ بواسیر کے مسّے پر باندھی جاتی ہے تو بواسیر کا مسّہ جڑ سے ہمیشہ کے لئے گر جاتا ہے۔ اور پھر کبھی نہیں ہوتا ؛

حیدرآباد اور دوسرے بعض مقامات میں ایسی بُوٹیاں موجود ہیں۔ کہ گوشت کا قیمہ نہایت باریک پیس کر ایک کپڑے میں باندھ دیں۔ اور پھر کپڑے کے اوپر اس بُوٹی کو کوٹ کر باندھ دیں۔ تو تمام قیمہ پھر ایک گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔

اسی طرح تازہ زخم پر جو بندوق کی گولی یا تلوار سے لگا ہو۔ اس بُوٹی کے لگانے سے پانچ چھ گھنٹہ میں زخم فوراً مندمل ہو جاتا ہے۔ اس چیز کا ذکر شاہنامہ میں بھی آتا ہے۔ مگر لوگ اس کو غلط سمجھا کرتے تھے ؛

ایک ایسی دوا بھی ہندوستان میں ہوتی ہے۔ کہ جس کو اگر کسی عورت کے بیسوں ناخنوں پر لگا دیں۔ تو پیٹ میں جو بچّہ مر گیا ہے۔ اور جو بلا ڈاکٹروں کے اپریشن کے باہر نکل نہیں سکتا تین منٹ کے اندر اندر خود بخود باہر نکل آتا ہے۔ کتنی عجیب چیز ہے ؛

ایک شخص کو ایک ایسی بُوٹی یاد ہے کہ اس کا عرق نکال کر ایک برتن میں بھرتا ہے۔ پھر کسی ایسے شخص کو جس کو خارش ہو یا آتشک کے زخموں سے جس کا تمام جسم بھرا ہُوا ہو۔ کے صرف ہاتھ دھلاتا ہے۔ تین گھنٹہ مسلسل دھونے کے بعد دَوران خون پر اس کا اثر ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور تین گھنٹے کے بعد تمام زخم خشک ہو کر کھرنڈ بندھ جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے خون بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ مگر وہ کسی کو نسخہ نہیں بتاتا ؛

ایک شخص کے پاس ایک ایسی بُوٹی موجود ہے۔ جب وہ کسی برص والے کو دیتا ہے۔ تو صرف تین دن میں برص جاتی رہتی ہے۔ غرضیکہ پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے والے فقیر اور سنیاسی بیسیوں ایسی بُوٹیاں جانتے ہیں۔ کہ جن کے خواص سُنکر انسان محوِ حیرت ہو جاتا ہے ؛

طب یونانی اور ویدک سائنس کے نزدیک ہر نباتات اور جمادات اور حیوانات کا تعلق ستاروں کے ساتھ ہے۔ چنانچہ چاند گرہن میں اگر کپاس کا درخت اُکھیڑ کر رکھ لیا جاوے تو دردِ زہ کے وقت عورت کو صرف ایک ماشہ اس درخت کی لکڑی باریک پیس کر اگر کھلا دی جائے۔ تو بلا تکلیف کے بچّہ پیدا ہو گا۔ ہزاروں مرتبہ میرا آزمایا ہُوا ہے ؛

دھولپور میں ایک بھنگی نے مجھے ایک بُوٹی بتائی۔ کہ اس کے صرف تین پتّے کھا لینے سے بخار اُتر جاتا ہے۔ مَیں نے ایک دفعہ ایک خاص قسم کا صابن بنایا تھا۔ کہ جس سے ہاتھ مُنہ دھو لینے سے ایک دست خوب کُھل کر اور غسل کر لینے سے تین دست آتے ہیں۔ مگر اُس کے اندر یہ نقص ہے کہ اگر انسان کے جسم کے کسی حصّہ میں درد ہوتا ہو۔ تو وہ درد تیز ہو جاتا ہے۔ اب اگر کوئی جماعت ہوتی۔ تو اس نقص کو رفع کرتی۔ اور اس کے اندر کوئی مصلح چیز شامل کرتی ؛

سر لیونارڈ راجرز مرض کوڑھ کے علاج تحقیقات کے دوران میں جب بالکل نا امید ہو کر ہندوستان آیا تو کوڑھ کی دوا اسکو ہندوستان میں ملی۔ اس مضمون میں لکھا ہے مَیں نے خود دیکھا کہ پُرانے اور سڑے ہوئے زخموں کو جو بالکل لاعلاج ہوں ان پر اس سفوف کا یہ اثر ہُوا۔ کہ رات کو زخم پر سفوف چھڑکا گیا اور صبح تک وہ زخم بالکل اچھا ہو گیا

ایکدفعہ مجھے بچھونے کاٹا۔ تو انگریز ڈاکٹر نے تین مقام پر رسّی سے بند میرے جسم پر باندھے اور اس کاٹی ہوئی اُنگلی کو مہینہ بھر امونیا کے سلوشن کے ٹوب میں رکھا۔ اور مہینہ بھر تک میری اُنگلی سڑتی رہی۔ مگر میرے ایک ملازم کو اس قسم کے بچھو نے کاٹا۔ اور ایک بچھو جھاڑنے والے نے صرف ایک دن میں اچھا کر دیا ؛ (آریہ گزٹ)

قابل توجہ احباب جماعت احمدیہ

اکثر تعلیم یافتہ دوستوں کا تقاضا تھا کہ آجکل لامذہبی کا فتنہ بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ضرورت مذہب پر مضامین شائع ہونے چاہئیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اس سلسلہ میں سب سے پہلا مضمون جو ملا وہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے افاضات سے ہے۔ اور جو ابھی تک شائع نہیں ہوا تھا۔ افادہ ناظرین کیلئے مَیں نے ایک ہی اشاعت ماہ جنوری میں تمام دیدیا۔ اور اس کی اہمیت کے لحاظ سے کسی اور مضمون کو اسکے ساتھ ملانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ رسالہ جنوری زیادہ تعداد میں چھپوایا گیا ہے۔ تاکہ دوست اس کی متعدد جلدیں بحساب چار آنے فی جلد منگوا کر تقسیم کریں۔ جتنی جلدیں مطلوب ہوں جلد خرید لیں۔ اور اس رسالہ کے مستقل خریدار تین روپے سالانہ پیشگی ادا کر کے فائدہ اُٹھائیں۔ اور حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کی خواہش مبارک کو پورا کر کے سعادت دارین حاصل فرمائیں۔ مندرجہ ذیل چند اور رسالے بھی کمیاب و قابل دید ہیں:-

نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی	نام رسالہ	اصل قیمت	رعایتی
خُلق محمدی منظوم	۳/	۱۰/	مجمع البحرین	۵/	۳/
چند روحانی بیماریوں کا علاج	۲/	۱/	کمالات احمدیہ	۴/	۲/
صداقت مسیح موعودؑ	۳/	۱۰/	استخلاف	۴/	۳/
نشانات احمدؑ	۲/	۱/	قبولیت دُعا کے چھیاسی گُر	۱	۱/
مقدس نبی کے مقدس حالات	۴/	۲/	معارف القرآن	۱۰/	۵/
افادات الفریدی	۲/	۱/	نغمہ اکمل حصہ ہشتم	۱/	۱/
اسلامی قادر مطلق اور آرین سرو شکتیمان	۴/	۲/	″ ″ ″ نہم	۱/	۱/
مباحثہ نیروبی جلد ۳	۱۲/	۶/	حضرت مسیح موعود فارسی الاصل ہیں	۴/	۲/
البیان الوفی فی معنی التوفی	۴/	۲/	ریویو اُردو کے فائل از ۲۲ء		
نش کلنک اوتار	۶/	۳/	تا ۳۶ء ۱۵ جلدیں بجائے	۴۵ روپے کے	۲۲½ روپے
مباحثہ مصر (پادری سے)	۴/	۲/	علاوہ محصول ڈاک		
الحجۃ البیضاء فی المعراج والاسراء	۵/	۰۲/	فائل مصباح از ۲۷ء تا ۳۶ء		
مسئلہ معراج الرسول	۵/	۰۲/	دس فائلوں کی قیمت بجائے	۲۵ روپے کے	۱۲ روپے ۸/
مقصد مذہب	۳/	۲/			

مینیجر مصباح و ریویو اُردو قادیان پنجاب

ڈابر (ڈاکٹر ایس کے برمن) لیمٹڈ

پچاس برس سے مشہور ولائتی دیسی پیٹنٹ دواؤں کا ہندوستانی وسیع کارخانہ

صیغہ نمبر ۱۱۷ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ڈابر چون پراش اولیہ (Regd)

STAR
(REGD)

(لاغری۔ کلیجہ پھیپھڑہ کی نقاہت کیلئے مثل آبحیات رسائن)

یہ مثل آبحیات رسائن باقاعدہ اشٹ برگ کی دواؤں کے میل سے بنی ہے

کف۔ کھانسی۔ دمہ۔ جگر کی بیماری و پھیپھڑہ کی کمزوری کی یہ مشہور آیورویدک دوا ہے

قیمت
آدھ سیر کی شیشی ؎۸ دو روپیہ آٹھ آنہ
ڈاک محصول ؎۸
ایک پاؤ کی شیشی ؎۵ ایک روپیہ پانچ آنہ
ڈاک محصول ؎۱۲

یہ مریض۔ تندرست۔ لڑکا۔ بڈھا عورت۔ مرد سب کے لئے مفید ہے

یہ کھانے میں خوش ذائقہ ہے تندرستی کی حالت میں اس کے استعمال سے عمر دراز ہوتی ہے۔

ڈابر جنتری ۱۹۳۷ء بلاقیمت مفت طلب کرکے ملاحظہ کیجئے

نوٹ:۔ دوائیں ہر جگہ ملتی ہیں خریدتے وقت اسٹار ٹریڈ مارک اور ڈابر نام ضرور دیکھ لیا کریں۔

سول ایجنٹوں کی پنجاب کے خاص خاص شہروں میں ضرورت ہے۔

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپکر قادیان سے مالکان کے لئے شائع کیا)

جُھکو تو وہ جُھک گئے۔ مگر ابلیس نہیں جُھکا سرکش لوگوں میں سے تھا۔ اس لئے اپنے ربّ کے حُکم سے سرتابی کی۔ پس کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریّت کو اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ سب تمھارے دشمن ہیں ظالموں کو بہت ہی بُرا بدلہ ملتا ہے، یہاں بھی آدم و ابلیس بطور اسم علم کے استعمال نہیں ہوئے بلکہ ان سے ایک نئی بعثت اور اس کے بالمقابل مخالفانہ طاقتوں کے ظہور کا ذکر کرنا مقصود بالذّات ہے ❊

قرآن مجید کے اس اسلوب بیان سے ضمناً ہمیں اس کشمکش کی اصل نوعیّت اور ماہیّت کا پتہ واضح طور پر چلتا ہے جو آدمؑ اور ابلیس کے مابین واقع ہوئی۔ ہم اس وقت موجود نہیں تھے اور اس وقت کے حالات ہماری نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جابجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے آپ کی بعثت سے پہلے آپ کے متعلق ملاء اعلیٰ میں۔ ایک تیاری کا پایا جانا۔ ملائکۃ اللہ کا سربسجود ہونا۔ ابلیس کا تکبّر و انکار کرنا اور اس ضمن میں اس کا شدید عداوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی سے اور اپنے آپکو آگ سے پیدا شدہ قرار دینا۔ پھر اس کی مخالفت اور بدانجام کی پیشگوئی کا ہونا۔ یہ سب باتیں جس جس رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ظہور پذیر ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ساری داستان یقیناً مثنّٰی ہے ان مشابہ حالات اور واقعات کا جن کا تعلق حضرت آدمؑ کے ساتھ تھا۔ اور جنہیں ہو بہو انہی الفاظ میں ہی دُہرایا گیا ہے۔ علم منطق ہمیں مجہول کو معلوم کے ذریعہ دریافت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مَیں نے سورۂ صؔ کا آخری رکوع ابھی آپ کے سامنے پڑھا ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے اور آپؐ کو ایسا بشر قرار دیا گیا ہے جن کی پیدائش طین یعنی گیلی مٹی سے بتلائی گئی ہے۔ جیسے آدمؑ کی پیدائش کے متعلق بتلایا گیا ہے (انی خالق بشراً من صلصال من حماءٍ مسنون) اور سورۂ صؔ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ملائکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سجدہ کرنے کا بھی اسی طرح حُکم ہُوا جس طرح حضرت آدمؑ کے متعلق انہیں حکم ہُوا تھا۔ ایسے ہی ابلیس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جُھکنے سے اسی طرح انکار کیا جس طرح آدم علیہ السّلام کے زمانہ میں ان سے انکار کیا تھا اور اپنے انکار کی جو وجہ آدم علیہ السّلام کے زمانہ میں بیان کی تھی وہی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بیان کرتا ہے یعنی انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہٗ من طین پس اگر ابو جہل یا ابو لہب کو جسے سورۂ صؔ میں ابلیس قرار دیا گیا ہے ظاہر میں آگ سے نہیں پیدا کیا گیا تھا بلکہ